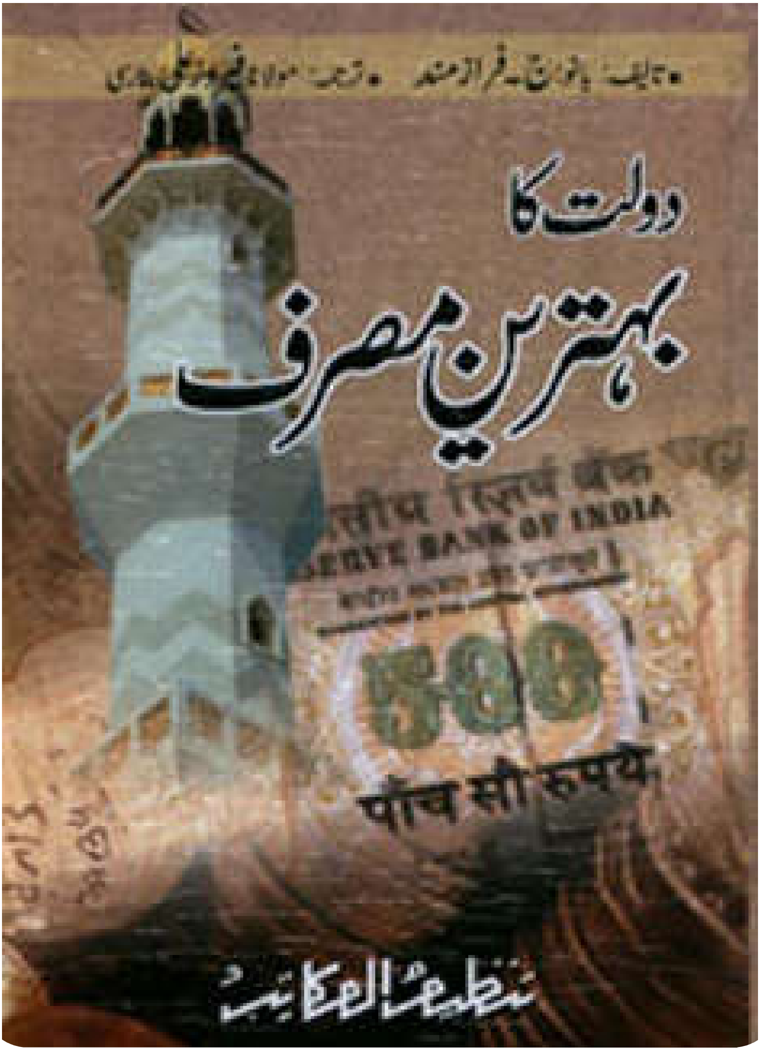

دولت کا
بہترین مصرف
BANK OF INDIA
500
पाँच सौ रुपये

دولت کا مصرف

مولانا فیروز علی بنارسی
ای بک: مولانا صادق عباس فاضل قم
aalulbayt@gmail.com

مقدمه

بہ نام خدائے رحمان ورحیم

ایک درخشاں انسانی اخلاق

انسانی امداد کو اسلام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

نیازمندوں کی صرف مدد ہی نہیں بلکہ ہر کار خیر اور مثبت سماجی کام جیسے مدرسہ بنانا، اسپتال کھولنا، سڑک بنوانا، ثقافتی مرکز قاء، کرنا، مساجد وغیرہ تعمیر کرانا یہ سب "انفاق فی سبیل اللہ" کے عنوان کے تحت آتے ہیں اور بہترین عمل شمار ہوتے ہیں اور دنیا وآخرت میں بہت سے معنوی اور مادی برکات اور اثرات کا سرچشمہ ہیں۔

اسکی اہمیت کے لئے یہی کافی ہے کہ سیکڑوں آیات وروایات میں سے نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل آیت اور روایات کو ملاحظہ کیا جائے:

(۱) قرآن کریم میں آیا ہے:

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون (۱)

تم ہرگز نیکی کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتے مگر یہ کہ اپنی محبوب چیزوں میں سے راہ خدا میں انفاق کرو۔

(۲) رسول اکرم نے ارشاد فرمایا:

من افضل الاعمال ابراد الاکباد الحارۃ و اشباع البطون الجائعۃ، فوالذی

نفس محمد بیدہ ما آمن بی عبد یبیت شبعان و اخوہ او جارہ یبیت جائعاً(۱)

بہترین اعمال میں سے (ایک عمل) جلتے ہوئے دلوں کو ٹھنڈا کرنا (پیاسوں کو پانی پلانا) اور بھوکے پیٹوں کو کھانا کھلانا ہے۔ اس پروردگار کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد (ص) کی جان ہے، جو شخص پیٹ بھر کر سو جائے اور اس کا مسلمان بھائی یا پڑوسی بھوکا ہو تو وہ مجھ پر ایمان نہیں لایا ہے۔

(۳) آپ ہی سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

خیر الناس انفعھم للناس(3)

لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ نفع اور فائدہ پہونچانے والا ہو۔

(۴) امیر المومنین حضرت علی۔ ارشاد فرماتے ہیں:

سوسوا ایمانکم بالصدقة وحصنوا اموالکم بالزکاة وادفعوا امواج البلاء بالدعاء (4)

اپنے ایمان کو صدقہ دے کر محفوظ رکھو اور اپنے مال و دولت کو زکات دے کر محفوظ بناؤ اور دعا کے ذریعہ بلاء و مصیبت کی موجوں کو اپنے آپ سے دور رکھو۔

(۵) آپ نے ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

الصدقة دواء منجح (5)

صدقہ ایک شفا بخش دوا ہے۔

اسلام نے مختلف شکل میں ان امداد کی سفارش اور تاکید کی ہے: تحفہ، صدقہ، صلہ رحمی، کھانا

کھلانا، ولیمہ، وقف، ایک سوم مال کی وصیت، واجبی اور مستحبی زکات وغیرہ۔

یہ قیمتی اور بابرکت اسلامی ثقافت باعث بنی ہے کہ اسلامی معاشروں میں انسانی امداد ایک عظیم پیمانہ پرانجام پائے اور بہت سے نیازمند افراد اس کے زیر سایہ آجائیں۔کبھی "جشن نیکوکاری" کے نام سے تو کبھی "ہفتہ اکرام" کے نام پر،کبھی "اعیاد مذہبی" اور "ایام سوگواری" کے عنوان سے، اور کبھی "افطاری" اور "ستاد رسیدگی بہ امور دیہ و کمک بہ زندانیان نیازمند" اور کبھی "کمک بہ ازدواج جوانان" اور دوسرے عناوین کے تحت۔

اس کے علاوہ ہزاروں مدرسے، اسپتال، مساجد، کتب خانے اور سستے گھر اسی جذبہ کے تحت بنائے گئے ہیں۔

یقینا جب بھی اس جذبہ کو باقی رکھا جائے اور اس میں وسعت دی جائے تو سماج سے محرومیت تو دور کیا جاسکتا ہے اور ہمارا سماج بہترین اور محبت وعطوفت سے لبریز انسانوں کا مجموعہ بن جائے گا۔

اس سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ انسانی امداد صرف غربت کو ختم کرنے یا طبقاتی فاصلہ سے ٹکراو کا ذریعہ ہی نہیں ہے بلکہ مدد کرنے والے کی تربیت اور روحی ترقی کا وسیلہ بھی ہے؛ جو شخص اپنے بہترین اموال میں سے ایک حصہ الگ کرتا ہے اور اسے ایک آبرومند انسان کی کمک کے لئے مخصوص کرتا ہے یا ایک عام المنفعہ مرکز بناتا ہے وہ ہر چیز سے پہلے اپنی روح کو پاک و پاکیزہ بناتا ہے اور اپنے دل کو صفا بخشتا ہے۔

قرآن مجید نے اس کے لئے ایک بہترین تعبیر بیان کی ہے، وہ رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ و

سلّم) کوحکم دیتا ہےاورفر ما تا ہے:

<خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها>(6)

(اے رسول !) آپ ان کے اموال میں سے زکات لیجئے تا کہ اس کے ذریعہ ان کو پاک و پاکیزہ کریں اور انھیں رشد ونمو عطا فرمائیں ۔

بے شک انسانی امداد انسان کی روح کو ترقی اور بالندگی عطا کرتی ہے اور اسے رشد ونمو بخشتی ہے، اور اسے بخل، حسد، دنیا پرستی، لالچ اور خودخواہی جیسی برائیوں سے پاک و پاکیزہ بناتی ہے اور دن بہ دن اسے خدا سے نزدیک کرتی ہے۔

اس کے علاوہ، اس کے مال و دولت میں برکت بھی ہوتی ہے اور اس پر روزی کے دروازے بھی کھل جاتے ہیں، یہاں تک کہ حضرت علی ـ ارشاد فرماتے ہیں:

اذا ملقتم فتاجروا الله بالصدقة (7)

جب تمہاری زندگی تنگ ہو جائے اور غربت کے آثار نمایاں ہو جائیں تو صدقہ کے ذریعہ خدا سے تجارت کرو اور اپنی زندگی کو رونق عطا کرو۔

اسی سلسلہ میں فاضلہ خاتون محترمہ" ج ـ فراز مند" نے انفاق سے متعلق آیات ـ جو بہت ہی معنی خیز ہیں ـ کو ایک خاص انداز میں جمع کیا ہے۔ وہ آیات جو انفاق کی اہمیت کو بھی بیان کرتی ہیں اور اس کے کمال کے شرائط اور قبولیت کے موانع کو بھی بیان کرتی ہیں اور انفاق کے سلسلہ میں اولویت کو بھی۔

انھوں نے ان آیات کی تفسیر میں "تفسیر نمونہ

" سے کافی مدد لی ہے اس کے علاوہ انھوں نے ہر باب میں چند حدیثوں کا اضافہ کیا ہے اور

ایک سبق آمیز اور دلچسپ مجموعہ تیار کیا ہے۔

امید ہے کہ اس کا فائدہ عام ہو اور یہ کتاب اس بات کا وسیلہ قرار پائے کہ لوگ اس اہم سماجی مسئلہ۔ جو اسلامی تعلیمات کے اصول میں ہے۔ کی طرف مزید توجہ دیں۔

"گروہ معارف" بھی اس علمی اور دینی خدمت کا شکریہ ادا کرتا ہے اور امیدوار ہے کہ یہ کتاب ایک دن سماج کے مختلف طبقے کے لئے ایک درسی کتاب قرار پائے۔

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

گروہ معارف

---

(۱) سورہ آل عمران: آیت ۹۲

(2) بحار الانوار: ج ۱۷، ص ۳۶۹

(3) نہج الفصاحہ

(4) نہج البلاغہ: کلمات قصار ۱۴۶

(5) نہج البلاغہ: کلمات قصار ۷

(6) سورہ توبہ: آیت ۱۰۳)

(7) نہج البلاغہ: کلمات قصار ۲۵۸)

پہلی فصل: اسلام میں انفاق کی اہمیت

۱۔انفاق ایک بابرکت دانہ

قرآن کریم انفاق کو ایک بہت ہی خوبصورت انداز میں اس طرح بیان فرماتا ہے:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّئَةُ حَبَّةٍ وَاللّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (سورہ بقرہ: آیت ۲۶۱)

جو لوگ راہِ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ (بیج) کی ہے جس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور پھر ہر بالی میں سو سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اضافہ بھی کر دیتا ہے کہ وہ صاحبِ وسعت بھی ہے اور علیم و دانا بھی۔ (علامہ جوادی)

وضاحت

انفاق اور سماجی مشکلات کا حل

سماجی مشکلات میں سے ایک بڑی مشکل طبقاتی فاصلہ اور دوری ہے جس میں انسان ہمیشہ گرفتار رہا ہے اور آج بھی جبکہ صنعتی اور مادی ترقی عروج پر ہے پورا سماج اس طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہے۔ ایک طرف فقر، غربت اور ناداری ہے تو دوسری طرف مال وثروت کی کثرت و فراوانی۔

کچھ لوگ اتنے زیادہ مال وثروت کے مالک ہیں جن کا حساب نہیں لگایا جاسکتا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو فقیری اور تنگ دستی سے نالاں ہیں اور زندگی کی ابتدائی ضروری اشیاء جیسے روٹی، کپڑا، اور مکان کا مہیا کرنا ان کے لئے ایک بہت مشکل کام ہے۔

واضح سی بات ہے کہ جس سماج کی بنیاد کا ایک حصہ دولتمندی اور مالداری پر اور دوسرا حصہ فقر اور بھوک پر استوار ہو اس سماج میں بقا اور دوام کی صلاحیت نہیں پائی جاسکتی اور کبھی بھی سعادت اور خوشحالی سے ہمکنار نہیں ہوسکتا ہے۔

ایسے معاشرہ میں پریشانی، اضطراب، بدبینی و بدگمانی اور سب سے اہم چیز دشمنی اور عداوت حتمی اور یقینی چیز ہے۔

اگر چہ یہ اضطراب گذشتہ انسانی معاشروں میں بھی موجود تھا لیکن ہمارے زمانہ میں طبقاتی فاصلے زیادہ اور خطرناک شکل اختیار کر چکے ہیں اس لئے کہ ایک طرف سے انسانی امداد اور

واقعی تعاون کے دروازے بند ہو چکے ہیں تو دوسری طرف سے سود خوری، طبقاتی فاصلہ کا ایک اہم سبب ہے۔ کے دروازے مختلف شکلوں میں کھل چکے ہیں

کمیونزم اور اس کے جیسے دوسرے مکاتب فکر کا وجود میں آنا، خونریزیاں اور اس صدی میں چھوٹی بڑی وحشتناک اور تباہ کن جنگوں کا واقع ہونا جو آج بھی دنیا کے گوشہ وکنار میں جاری ہیں، انسانی معاشرہ کی اکثریت کی محرومیت کا ردِعمل اور نتیجہ ہیں۔ دانشمندوں اور مفکرین نے سماج کی ہر مشکل کو حل کرنے کی فکر کی اور ہر ایک نے ایک راہ اور جدا جدا راہوں اور طریقہ کار کا انتخاب کیا، کمیونزم نے ذاتی اور شخصی مالکیت کو ختم کر کے، سرمایہ داری نے زیادہ سے زیادہ مالیات اور ٹیکس لے کر اور عام فلاحی اداروں (جن میں زیادہ تر نمائشی ہیں چہ جائے کہ حاجت مندوں کی مشکل حل کریں) کو تشکیل دے کر اپنے اپنے گمان میں اس مشکل کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ کوئی بھی اس راہ میں موئثر قدم نہیں اٹھا سکا ہے اس لئے کہ اس مشکل کا حل، مادیت اور مادی افکار کے ذریعہ ممکن نہیں ہے جو پوری دنیا پر حاکم ہے اس لئے کہ مادی تفکر میں بلاغرض اور بلا اجرت مدد اور تعاون کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

آیات قرآنی میں غور وفکر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ وہ نظام جو سماج کی غیر منصفانہ اور ظالمانہ روش سے سرمایہ دارانہ اور غربت وافلاس کے دو طبقوں میں بٹ چکا ہے اس کا خاتمہ کر دے اور جو لوگ اپنی زندگی کی ضروریات کو دوسروں کی مدد کے بغیر پورا نہیں کر سکتے ان کی سطح کو اتنا بلند کر دے کہ کم سے کم ضروریات زندگی کے مالک ہوں۔ اسلام نے اس مقصد اور ہدف تک رسائی کے لئے ایک وسیع نظام اور قانون کو

مدنظر رکھا ہے۔

سودخوری کو مکمل طریقہ سے حرام قرار دینا، اسلامی مالیات (ٹیکس) جیسے زکوٰۃ، خمس، وغیرہ کی ادائے گی کو واجب قرار دینا، انفاق، وقف، قرض الحسنہ اور مختلف مالی امداد کی تشویق کرنا، اس نظام کا ایک حصہ ہے اور سب سے اہم چیز لوگوں میں روحِ ایمان، بھائی چارگی اور مساوات کو زندہ کرنا ہے۔

ایک خوبصورت مثال

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اموالهم فی سبیل الله کمثل جنة (بقرہ/۲۶۱)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیہ کریمہ میں انفاق سے مراد راہ جہاد میں انفاق اور خرچ کرنا ہے اس لئے کہ اس آیت سے پہلے والی آیتوں میں جہاد کا تذکرہ ہوا ہے۔لیکن واضح سی بات ہے کہ یہ مناسبت انفاق کو جہاد سے مخصوص کرنے کا سبب نہیں بنتی۔اس لئے کہ کلمہ سبیل اللہ جو کہ بطور مطلق ذکر ہوا ہے ہر قسم کے جائز خرچ اور مصرف کو شامل ہے۔اس کے علاوہ اس آیت کے بعد کی آیات، جہاد کے بارے میں نہیں ہیں۔اسلئے کہ۔"انفاق" کی بحث کو مستقل طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔اور تفسیر مجمع البیان کے نقل کے مطابق روایات میں بھی آیت کے عمومی معنیٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بہرحال اس آیہ کریمہ میں راہِ خدا میں انفاق کرنے والوں کو بابرکت دانہ سے تشبیہ دی گئی ہے جو زرخیز زمین میں بوئے جائیں جبکہ ان افراد کو دانہ سے تشبیہ نہیں دینا چاہیئے تھا بلکہ ان کے

انفاق کو دانہ سے تشبیہ دینا چاہیئے یا ان لوگوں کو کسانوں سے تشبیہ دینا چاہیئے تھا جو دانہ چھڑ کتے اور بوتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت میں ایک کلمہ حذف کر دیا گیا ہے("اَلَّذِیْنَ") سے پہلے کلمہ "صدقات" تھا یا کلمہ "حبۃ" سے پہلے "باذر" تھا)

لیکن اس آیت میں کسی کلمہ کے حذف ہونے یا پوشیدہ ماننے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ اس تشبیہ میں ایک اہم راز پوشیدہ ہے اور انفاق کرنے والوں کو بابرکت دانوں سے تشبیہ دینا ایک عمیق اور خوبصورت تشبیہ ہے۔

قرآن کریم اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ ہر انسان کا عمل اس کے وجود کا پرتو اور عکس ہے۔ عمل جس قدر وسعت پیدا کرے گا درحقیقت انسان کا وجود بھی اتنا ہی وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ اس سے واضح لفظوں میں قرآن مجید، انسان کے عمل کو اس کی ذات سے الگ نہیں جانتا ہے بلکہ دونوں کو ایک ہی حقیقت کی مختلف شکل کے طور پر بیان کرتا ہے لہٰذا کسی چیز کو محذوف مانے بغیر بھی یہ آیت قابل تفسیر ہے اور ایک عقلی حقیقت کی طرف اشارہ ہے یعنی ایسے نیکی کرنے والے افراد دانوں کے مانند ہیں جو ہر طرف جڑ اور شاخ پھیلا لیتے ہیں اور ہر جگہ کو اپنے زیرِ سایہ لیتے ہیں۔

قرآن کریم نے

"حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ"

میں اس بابرکت بیج کی صفت کو اس طرح بیان کیا ہے:

اس بیج سے سات بالیاں اگتی ہیں اور ہر بالی میں سو سو دانے ہوتے ہیں اس طرح دانے

سات سو گنا زیادہ ہو جاتے ہیں۔

کیا یہ ایک فرضی تشبیہ ہے؟ اور ایسا دانہ کہ اس سے سات سو دانے اگیں خارجی وجود نہیں رکھتا ؟ ان دانوں سے مراد ارزن (چینا ایک قسم کا غلّہ) کے دانے ہیں جن میں یہ تعداد مشاہدہ کی گئی ہے (چونکہ کہا گیا ہے کہ گیہوں اور اس کے مانند دانوں میں ایسا نہیں دیکھا گیا ہے)لیکن قابل توجہ بات یہ ہے کہ چند سال پہلے جب بہت زیادہ بارش ہوئی تھی تو اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایران کے جنوب میں ایک گاؤں کے ایک کھیت میں گیہوں کی سب سے بڑی بڑی بالیاں پیدا ہوتی ہیں اور ہر بالی میں تقریباً چار ہزار گیہوں کے دانے ہیں۔ یہ واقعہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کی تشبیہ ایک واقعی اور حقیقی تشبیہ ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ

"وَاللّٰہُ یُضَاعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسع علیم

اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اضافہ بھی کر دیتا ہے۔

کلمہ "یُضَاعِفُ" مصدر ضعفسے دو گنا یا چند گنا کے معنی میں ہے۔

لہٰذا اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے اس برکت کو دو گنا یا چند برابر کر دیتا ہے۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظر ایسے دانے بھی پائے جاتے ہیں جو سات سو دانوں سے کئی گنا دانے دیتے ہیں لہٰذا یہ تشبیہ ایک حقیقی تشبیہ ہے۔

آیت کے آخری جملہ میں پروردگار کی قدرت اور علم کی وسعت کیطرف اشارہ کیا گیا ہے

تا کہ انفاق کرنے والے بھی اس بات سے آگاہ ہوجائیں کہ خداوندِ عالم ان کے عمل اور نیت سے بھی آگاہ ہے اور انہیں ہر طرح کی برکت عطا کرنے پر قادر بھی ہے۔

۲. نماز، انفاق کے ساتھ

پروردگارِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

<اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ>

متقین وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور وہ تمام نعمتیں جو ہم نے ان کو روزی کے طور پر دی ہیں ان میں سے انفاق کرتے ہیں۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۳)

بے شک صاحبانِ ایمان نماز کے ذریعہ اپنے پروردگار سے رابطہ کے علاوہ خلق خدا سے بھی بہت قریبی اور دائمی رابطہ رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر صاحبانِ ایمان کی تیسری صفت کو مذکورہ آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: اور جو نعمتیں ہم نے انہیں روزی کے طور پر دی ہیں ان میں سے انفاق کرتے ہیں۔

(وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ)

قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن کریم یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ:

"مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ یُنۡفِقُوۡنَ"

(وہ اپنے اموال میں سے انفاق کرتے ہیں) بلکہ فرما رہا ہے: "وَمِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ" ہم نے جو انہیں روزی دی ہے، اس میں سے انفاق کرتے ہیں اس بیان کے ذریعہ پروردگار عالم نے

مسئلہ انفاق کو اتنی عمومیت اور وسعت دے دی ہے جو ہر قسم کی مادی اور معنوی نعمت کو شامل کئے ہوئے ہے۔

لہٰذا متقی اور پرہیز گار وہ افراد ہیں جو نہ صرف اپنے اموال سے بلکہ اپنے علم، عقل، جسمانی قوت، سماج میں اپنے اثر ورسوخ اور مقام ومنزلت اور ہر سرمایہ میں سے جزا اور بدلے کی امید کے بغیر، حاجتمندوں کو عطا کرتے ہیں۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ انفاق اس کائنات کا ایک عمومی قانون ہے خاص طور سے ہر زندہ موجود کے بدن میں بھی یہ قانون پایا جاتا ہے۔ انسان کا دل صرف اپنے لئے کام نہیں کرتا ہے بلکہ جو کچھ اسے حاصل ہوتا ہے وہ اس میں سے سارے خلیوں پر انفاق کرتا ہے۔ دماغ، آنتیں اور بدن کے دوسرے تمام اعضاء سب کے سب اپنے عمل سے حاصل ہونے والے نتیجہ میں سے ہر وقت انفاق کرتے رہتے ہیں قاعدۃً اجتماعی زندگی انفاق کے بغیر بے معنی ہے۔

درحقیقت انسانوں سے رابطہ پروردگار عالم سے رابطہ کا نتیجہ ہے، جس کا خدا سے رابطہ برقرار ہوجائے اور جملہ "مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ" کے مطابق تمام روزی اور نعمت کو خدا کی عطا جانے (نہ کی اپنی طرف سے) اور پروردگار کی اس عطا کو اپنے پاس رکھی ہوئی چندروزہ امانت جانے، ایسا شخص راہِ خدا میں انفاق اور بخشش کرنے سے کبیدہ خاطر نہیں ہوتا بلکہ خوشحال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے مالِ خدا کو اس کے بندوں کے اوپر خرچ کیا ہے اور نتیجہ میں اس انفاق کی مادی اور معنوی برکات اور اثرات کو اپنے لئے خریدا ہے۔

یہ طرز فکر انسان کو بخل، کنجوسی اور حسد سے دور کرتا ہے اور عالم تنازع کو دنیائے تعاون میں بدل دیتا ہے۔ایک ایسی دنیا جہاں ہر شخص اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتا ہے کہ جو نعمتیں اس کے اختیار میں ہیں انہیں ضرورت مندوں کے سپرد کردے اور کسی کی جزا اورعوض کی امید کے بغیر سورج کی طرح نورافشانی کرے۔

قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جملہ

"مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ"

کی تفسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے

"اِنَّ مَعْنَاهُ وَمِمَّا عَلَّمْنَاهُمْ يَبُثُّوْنَ"

یعنی جو علوم ہم نے انہیں سکھائے ہیں وہ ان کو نشر کرتے ہیں اور ضرورت مندوں کو تعلیم دیتے ہیں۔

واضح سی بات ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انفاق صرف علم سے مخصوص ہے بلکہ چونکہ اکثر افراد مسئلہ انفاق میں مالی اور مادی انفاق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں لہٰذا امام ۔ نے اس معنوی انفاق کو ذکر کر کے انفاق کی وسعت اور عمومیت کو بیان کرنا چاہا ہے۔

اس کے نتیجہ میں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ آیت میں انفاق صرف زکوٰۃ واجب یا زکوٰۃ واجب و مستحب سے مخصوص نہیں ہے بلکہ انفاق کا ایک وسیع اور عام معنی ہے جو ہر قسم کی بلاعوض مدد اور تعاون کو شامل کئے ہوئے ہے۔

۳.انفاق، عفو و درگذشت اور غصہ کو پی جانا

سعادت کے تین اہم اسباب۔

سورۂ آلِ عمران آیت نمبر ۱۳۴ میں اس طرح ذکر ہوا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَا فِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾

(صاحبانِ تقویٰ وہ لوگ ہیں) جو دکھ اور سکھ ہر حال میں انفاق کرتے اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وضاحت

چونکہ اس سے پہلے والی آیہ کریمہ میں صاحبانِ تقویٰ سے بہشت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ان کا تعارف کراتے ہوئے ان کے چند بلند و بالا صفات حمیدہ کو بیان کیا گیا ہے:

ا۔صاحبان تقویٰ ہر حال میں انفاق کرتے ہیں چاہے راحت و آرام اور وسعت رزق کا زمانہ ہو یا سختی اور محرومی کا دور ہو۔

"اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ"

صاحبان تقویٰ اپنے اس عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ دوسروں کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا ان کی روح و جان میں راسخ ہو چکا ہے اسی بنا پر وہ ہر حال میں اس کام کے لئے

قدم اٹھاتے ہیں۔ واضح رہے کہ صرف راحت اور آسائش میں انفاق کرنا ان کی روح و جان میں رسوخ کی دلیل اور صفت سخاوت کی علامت نہیں ہے بلکہ جو لوگ ہر حال میں مدد اور انفاق کے لئے قدم اٹھاتے ہیں وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ صفت ان کے وجود اور ذات میں جڑ پکڑ چکی ہے۔

ممکن ہے کہ اس مقام پر یہ سوال کیا جائے کہ انسان تنگدستی اور فقر میں کس طرح انفاق کرسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب بہت واضح ہے--؛اس لئے کہ اولاً فقیر اور تنگدست افراد بھی حتی الامکان دوسروں کی مدد کے لئے انفاق کر سکتے ہیں ثانیاً انفاق صرف مال وثروت سے ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ خدا کی عطا کردہ ہر نعمت میں سے ہوسکتا ہے چاہے مال و دولت ہو یا علم و دانش یا دوسری نعمتیں۔

اس بیان کے ذریعہ خداوند عالم عفو و درگذر ،فداکاری اور سخاوت کے جذبہ کو فقیر اور تنگدست افراد میں بھی پیدا کرنا چاہتا ہے تا کہ انسان بہت سی ایسی بری صفتوں سے محفوظ رہ سکے جو کنجوسی کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں۔

جو لوگ راہ خدا میں انفاق کو چھوٹا ،معمولی اور حقیر سمجھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہر انفاق کو الگ الگ نظر میں رکھا ہے ورنہ اگر انہیں چھوٹی چھوٹی مدد اور انفاق کو جمع کیا جائے۔ مثال کے طور پر ایک ملک کے تمام افراد۔ فقیر اور مالدار۔ سب کے سب محتاجوں اور ضرورت مندوں کی مدد کے لئے ایک مختصر سی رقم انفاق کریں اور اس کو سماجی اہداف کی ترقی

کے لئے خرچ کیا جائے تو اس کے ذریعہ بہت بڑے بڑے کام انجام دئے جا سکتے ہیں۔اس کے علاوہ انفاق کے معنوی اور اخلاقی اثر کا تعلق انفاق کے حجم اور اس کی کمی اور زیادتی سے نہیں ہے بلکہ انفاق کا اثر اور فائدہ ہر حال میں انفاق کرنے والے کو پہنچتا ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ یہاں پر آیۂ کریمہ میں سب سے پہلے صاحبان تقویٰ کی برجستہ صفت انفاق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ آیات ان صفات کے مقابلے میں ہیں جو سود خوروں اور سرمایہ داروں کے بارے میں اس سے قبل کی آیات میں بیان کی گئی ہیں ۔اس کے علاوہ مال و دولت میں سے انفاق وہ بھی راحت اور سختی کی حالت میں تقویٰ کی واضح نشانی ہے۔اس کے بعد غصہ کو پی جانے اور عفو و بخشش کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:"وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ"

اور چونکہ یہ ساری چیزیں احسان اور نیکی کے مفہوم میں سمٹی ہوئی ہیں لہٰذا آیت کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے: خداوند عالم احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

اس سے بڑا فخر اور کیا ہو سکتا ہے کہ خدا انسان سے خوش ہو اور اسے دوست رکھے۔

۴.انفاق نہ کر سکنے پر گریہ

قرآن مجید مندرجۂ ذیل آیات میں ان صاحبان ایمان کا تذکرہ کر رہا ہے جو راہ خدا میں (جہاد کے لئے)انفاق پر قدرت اور توانائی نہ رکھنے کی وجہ سے آنسو بہا رہے تھے۔خدا وند عالم ان کو تسلی دیتے ہوئے انھیں ایک ایسی چیز کا حکم دیتا ہے جو انفاق کا جانشین ہے ملاحظہ

فرمایئے:

<لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ
حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ
اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ>(سورهٔ توبه:آیت
۹۱۔۹۲)

جو لوگ کمزور ہیں یا بیمار ہیں یا ان کے پاس راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ہے ان کے بیٹھے رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ خدا اور رسول کے حق میں اخلاص رکھتے ہوں کہ نیک کردار لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہوتا اور اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اوران پر بھی کوئی الزام نہیں ہے جو آپ کے پاس آئے کہ انہیں بھی سواری پر لے لیجئے تو آپ ہی نے کہہ دیا کہ ہمارے پاس سواری کا انتظام نہیں ہے اور وہ آپ کے پاس سے اس عالم میں پلٹے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور انہیں اس بات کا رنج تھا کہ ان کے پاس راہ خدا میں خرچ کرنے کیلئے کچھ نہیں ہے۔

وضاحت

مذکورہ بالا آیات میں پہلی آیت کے شان نزول کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ایک مخلص اور وفادار صحابی نے آپ سے عرض کی:

اے اللہ کے رسول! میں بوڑھا، نابینا اور ضعیف و ناتواں ہوں اور میرے پاس کوئی ایسا شخص

بھی نہیں جو میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے میدان جہاد تک لے جائے۔لہٰذا اگر میں جہاد میں شرکت نہ کروں تو کیا میرا عذر قابل قبول ہے؟ رسول اکرم نے جواب دینے کے بجائے خاموشی اختیار فرمائی اتنے میں مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اس طرح کے افراد کو جنگ میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

اس شان نزول سے یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ نابینا افراد بھی پیغمبر اسلام کی اطلاع اور اجازت کے بغیر جنگ سے منہ نہیں موڑ سکتے تھے اور اس احتمال کی بنا پر کہ شاید میدان جہاد میں ایسے افراد کا وجود مجاہدین کی تشویق کا سبب بنے گا یا کم از کم لشکر کی کثرت کے لئے مفید واقع ہوگا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اپنے وظیفہ کو دریافت کرلیا کرتے تھے۔

دوسری آیت کے سلسلے میں بھی روایات میں ذکر ہوا ہے کہ فقرائے انصار میں سے سات افراد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست کی کہ جہاد میں شرکت کیلئے انہیں کوئی سواری دی جائے چونکہ آنحضرت کے پاس کوئی سواری نہیں تھی لہٰذا انہیں منفی جواب دے دیا۔آنحضرت کا جواب سنتے ہی وہ لوگ آنسو بہاتے ہوئے آپ کی خدمت سے واپس ہوئے اور بعد میں "بکاؤن" (بہت زیادہ گریہ کرنے والے) کے نام سے مشہور ہوئے۔

۵.انفاق کا اجر عظیم

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

< آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُوْلِه وَاَنْفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ فَالَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ> (سورئہ حدید آیت/۷)

تم لوگ اللہ اور رسول پر ایمان لے آؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب قرار دیا ہے تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے راہ خدا میں خرچ کیا ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

وضاحت

ایمان اور انفاق دو عظیم سرمائے

مذکورہ بالا آیت تمام انسانوں کو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان اور راہ خدا میں انفاق کی دعوت دے رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ۔

(آمِنُوا بِاللهِ وَرَسُوْلِه)

یہ دعوت ایمان اور انفاق ایک عمومی دعوت ہے جو تمام انسانوں کو دی جا رہیہے۔ صاحبان ایمان کو راسخ اور کامل ایمان کی دعوت دی جا رہی ہے اور غیر مومنین (کفار ومشرکین۔) کو

ایمان لانے کی دعوت دی جارہی ہے ایسی دعوت جو دلیل کے ساتھ ہے اوراس کی دلیل اس سے قبل کی آیات توحیدی میں ذکر کی جاچکی ہے۔

اس کے بعد ایمان کے ایک اہم اثر "راہ خدا میں انفاق" کی دعوت دیتے ہوئے ارشادفرماتا ہے :اس مال میں سے خدا کی راہ میں خرچ کروجس میں اس نے تمھیں اپنا نائب قرار دیا ہے۔

یہ پروردگار کی عطا کردہ نعمتیں جو انسان کے اختیار میں ہیں ان میں ایثار،فداکاری اورانفاق کی دعوت ہےاور پروردگار نے اس دعوت کوایک اہم نکتہ سے جوڑ دیا ہےجس کوفراموش نہیں کرنا چاہئے۔وہ یہ کہ اصل میں مالک حقیقی خداوند عالم ہےاور یہ مال ودولت امانت کے طور پر کچھ دنوں کے لئے تمہارے حوالے کئے گئے ہیں ویسے ہی جیسے تم سے پہلے دوسروں کے اختیار میں تھےاورآئندہ بھی دوسروں کے ہاتھ میں چلے جائیں گے۔

بے شک ایسا ہی ہے اسلئے کہ قرآن کریم کی دیگر آیات میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ ساری کائنات کا حقیقی مالک پروردگار عالم ہے۔اس حقیقت اور واقعیت پر ایمان رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اس کے"امانتدار"ہیں اور یہ کیونکرممکن ہے کہ امانتدار،صاحب امانت کے فرمان کونظرانداز کردے!

اس اہم نکتہ کی طرف توجہ،انسان کے اندرجذبہ سخاوت اورایثار پیدا کرتا ہےاوراس کے دل اور ہاتھ کوخدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کھول دیتا ہے۔

"مستخلفین"(نائب اورجانشین) کی تعبیرممکن ہےانسان کے زمین اورنعمات زمین میں خدا

کے نمائندہ اور جانشین ہونے کی طرف اشارہ ہو یا گذشتہ امتوں کی جانشینی کی طرف اشارہ ہو یا دونوں کی طرف اشارہ ہو۔

"تعبیر" "مما" (ان چیزوں میں سے) ایک عام تعبیر ہے جو صرف مال ہی نہیں بلکہ ہر سرمایہ اور نعمت الٰہی کو شامل ہے جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا ہے کہ انفاق کا ایک وسیع اور عام معنی ہے جو صرف مال سے مخصوص نہیں ہے بلکہ علم، ہدایت، سماجی اثر و رسوخ اور دوسرے مادی اور معنوی سرمایہ کو بھی شامل ہوتا ہے۔

اس بیان کے بعد مزید تشویق کے لئے ارشاد فرماتا ہے: تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے خدا کی راہ میں خرچ کیا ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ

کلمہ کبیر کے ذریعہ اجر کی صفت لانا، الطاف اور نعمات الٰہی کی عظمت اور اس کی ہمیشگی کو بیان کرنا ہے۔ یہ اجر عظیم صرف آخرت ہی میں نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی انسان کو نصیب ہوگا۔

راہ خدا میں انفاق کے حکم کے بعد اس کی ایک دلیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: اور راہ خدا میں انفاق کیوں نہ کرو جبکہ زمین و آسمان کی ساری میراث اسی کی ہے!

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ"

یعنی آخر کار تم سب اس کائنات اور اس کی ساری نعمتوں سے آنکھ بند کر کے، سب کچھ چھوڑ کر چلے جاؤ گے لہٰذا فی الحال جبکہ یہ ساری چیزیں تمہارے اختیار میں ہیں ان سے اپنا حصہ کیوں نہیں لے لیتے؟

راغب اصفہانی نے کہا ہے کہ "میراث" اس مال کو کہتے ہیں جو بغیر کسی قرارداد اور معاہدہ کے کسی کو حاصل ہو اور مرنے والے کی جانب سے جو چیز اس کے رشتہ داروں کی طرف منتقل ہوتی ہے وہ اسی کا ایک مصداق ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے یہی معنی سب سے پہلے ذہن میں آتا ہے۔

تعبیر "لِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ"

اس لئے ہے کہ نہ صرف روئے زمین کی مال و دولت بلکہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے سب خداوند عالم کی طرف پلٹ جائے گا جب ساری مخلوقات مر جائے گی تو پروردگار ان سب کا وارث ہوگا۔

دوسرے اعتبار سے چونکہ مختلف حالات اور مواقع میں انفاق کی اہمیت اور قیمت میں فرق ہوتا ہے اسی وجہ سے بعد کے جملہ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

"جنہوں نے فتح اور کامیابی سے پہلے راہ خدا میں انفاق کیا اور جہاد کیا ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جنہوں نے فتح کے بعد اس کام کو انجام دیا:

"لَاْ یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ"

اس آیت میں فتح سے مراد کون سی فتح ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض نے اس کو ۸ ھ ء میں فتح مکہ کی طرف اشارہ جانا ہے اور بعض نے ٦ ھ ء میں فتح حدیبیہ کی طرف۔

چونکہ سورۂ

"اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً"

میں کلمہ "فتح" سے مراد فتح (صلح) حدیبیہ ہے لہٰذا یہاں پر بھی مناسب یہی ہے کہ مراد فتح حدیبیہ (صلح حدیبیہ) ہو، لیکن تعبیر "قاتل" (جنگ و جہاد کیا) فتح مکہ سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے اس لئے کہ صلح حدیبیہ میں کوئی جنگ پیش نہیں آئی لیکن فتح مکہ میں ایک مختصر سی جنگ ہوئی جو زیادہ مقاومت اور مقابلہ سے روبرو نہ ہو سکی۔

یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ اس آیت میں "الفتح" سے مراد مختلف جنگوں میں مسلمانوں کی طرح طرح کی فتح اور کامیابی ہو۔ یعنی جن لوگوں نے سخت اور بحرانی حالات میں انفاق کرنے اور راہ خدا میں جاں نثاری کرنے سے کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہیں کی ان لوگوں سے برتر اور افضل ہیں جو طوفان حوادث اور سختیوں کے خاتمہ کے بعد اسلام کی مدد کے لئے دوڑتے ہیں اور آیت کی یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے۔

اسی لئے مزید تاکید کے لئے ارشاد فرماتا ہے: ان لوگوں کا مقام اور منزلت ان لوگوں سے برتر اور بالاتر ہے جنہوں نے فتح کے بعد انفاق اور جہاد کیا

"أُولٰئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا"

اس نکتہ کی یاددہانی بھی ضروری ہے کہ بعض مفسرین اس بات پر مصر ہیں کہ انفاق اور راہ خدا میں خرچ کرنا جہاد سے برتر اور افضل ہے اور شاید آیہ کریمہ میں "انفاق" کو جہاد سے پہلے ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہو۔ جبکہ یہ بات واضح ہے کہ مالی انفاق کو جہاد پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جنگی وسائل، مقدمات اور اسلحے مال ہی سے خریدے اور فراہم کئے جاتے ہیں ورنہ بلاشک وشبہ جاں نثاری اور راہ خدا میں شہادت کے لئے آمادہ رہنا مالی انفاق سے برتر اور بالا

تر ہے۔

بہرحال چونکہ دونوں دستہ (فتح مکہ سے پہلے اوراس کے بعد انفاق کرنے والے) درجات میں فرق کے ساتھ ساتھ پروردگار کی خاص عنایت کے حقدار ہیں لہٰذا ارشادفرماتا ہے: خداوندعالم نے دونوں گروہ سے نیکی کا وعدہ کیا ہے

: "وَكُلاًّ وَّعَدَاللهُ الْحُسْنىٰ"

دونوں دستہ سے نیکی کا وعدہ کرنا خدا کی جانب سے ہراس شخص کی قدردانی ہے جوحق کی راہ میں قدم اٹھاتے ہیں کلمہ "حسنیٰ" اس آیہ کریمہ میں ایک عام معنی میں ہے جو ہرطرح کے ثواب اوردنیاوآخرت کے جزائے خیرکواپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

اورچونکہ ہرانسان کےعمل کی قیمت اس کےخلوص کی بنیاد ہوتی ہے لہٰذا پروردگارعالم ارشاد فرماتا ہے:تم جوکچھ بھی انجام دیتے ہوخدااس سے آگاہ اور باخبر ہے

"وَاللهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ"

یعنی خداوندعالم تمہارے اعمال کی مقداراورکیفیت سے بھی آگاہ ہےاورنیت وخلوص سے بھی باخبر ہے۔

مذکورہ آیت میں ایک بارپھرراہ خدا میں انفاق کی تشویق کے آخر میں ایک خوبصورت تعبیر بیان کی گئی ہے: کون ہے جو پروردگارکوقرض دےاور جو مال ودولت خدا نے اسے عطا کیا ہےان میں سے انفاق کرے تاکہ پروردگاراسے کئی گنا کردےاوراس کے لئے بہت زیادہ اورباقیمتی اجر ہے:

"مَنْ ذَاالَّذِىْ يُقْرِضُ اللهُ قَرْضاً حَسَناً فَيُضَاعِفَهُ لَهُ وَلَهُ اَجْرٌ كَرِيْمٌ"

واقعاً یہ ایک عجیب وغریب تعبیر ہے وہ خدا جو ساری نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے اور ہمارے وجود کا ذرہ ذرہ ہر لمحہ اس کے بے پایاں دریائے فیض سے بہرہ مند ہو رہا ہے اور اسی کی ملکیت ہے۔اس نے ہم کو صاحب مال و دولت شمار کیا ہے اور ہم سے قرض کا مطالبہ کر رہا ہے۔اور عام قرض کے خلاف جہاں اتنی ہی مقدار واپس کی جاتی ہے وہ اس میں کئی گنا اور کبھی سو گنا اور کبھی ہزار گنا اضافہ کر دیتا ہے اوران سب باتوں کے علاوہ "اَجْرٌ کَرِیْمٌ" کا وعدہ بھی کرتا ہے جو ایک عظیم اجر ہے جس کی مقدار خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

جذبۂ انفاق

گذشتہ آیتوں میں راہ خدا میں خرچ کرنے (چاہے جہاد کے لئے ہو یا حاجت مندوں کی مدد کے لئے) کی تشویق کو مختلف عبارتوں میں بیان کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک اس مقصد کی طرف قدم بڑھانے کا سبب بن سکتی ہیں۔

ایک آیت میں مال و دولت میں لوگوں کی ایک دوسرے یا پروردگار کی جانشینی اور نیابت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حقیقی مالکیت کو خدا سے مخصوص جانتا ہے اور سارے انسانوں کو ان اموال میں اپنا نائب بنانا، یہ تفکر اور طرز فکر انسان کے ہاتھ اور دل کو انفاق کے لئے کھولتا ہے اور اس راہ میں قدم اٹھانے کا سبب بنتا ہے۔

دوسری آیت ،ایک دوسری تعبیر بیان کرتی ہے جو مال و دولت کی ناپائیداری اور انسانوں کے بعد باقی رہ جانے کی حکایت کرتی ہے اور وہ تعبیر "میراث" ہے ارشاد فرماتا ہے" آسمان وزمین

کی میراث خداوند عالم ہی کی ہے“

تیسری آیت میں ایک ایسی تعبیر بیان کی گئی ہے جو سب سے زیادہ حساس ہے اور خداوند عالم کو قرض لینے والا اور انسانوں کو قرض دینے والا بتارہی ہے۔ایسا قرض جس میں سود اور سود کی حرمت کا گزر نہیں اور اس کے مقابلہ میں کئی گنا بلکہ ہزاروں گنا واپس دیا جائے گا۔اس عظیم اجر کے ساتھ جو کسی کی فکر میں سما نہیں سکتا۔

یہ سارے بیانات اس لئے ہیں کہ کج فکری ،حرص ولالچ ،حسد ،خود خواہی ،فقر اور تنگدستی کا خوف ،بڑی بڑی آرزؤں کو ختم کردیا جائے جو راہ خدا میں انفاق کے لئے رکاوٹ بنتی ہیں اور عطوفت ،مہربانی ،ہم نوع دوستی اور تعاون کی بنیاد پر ایک خوشحال معاشرہ اور کووجود میں لایا جا سکے۔

۶.سرمایہ جاودانی

<قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُہٗ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ>(سورہٴ سبا :آیت۳۹)

بے شک ہمارا پروردگار اپنے بندوں میں جس کے رزق میں چاہتا ہے وسعت پیدا کرتا ہے اور جس کے رزق میں چاہتا ہے تنگی پیدا کرتا ہے اور جو کچھ اس کی راہ میں خرچ کروگے وہ اس کا بدلہ بہرحال عطا کرے گا اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

وضاحت

اس آیہ کریمہ میں ان لوگوں کی بات کا جواب دیا گیا ہے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ مال واولاد خدا کی بارگاہ میں قربت کی دلیل ہےں ۔لہٰذا اس تاکید کے ساتھ ارشاد فرماتا ہے کہ: اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں جس کے رزق میں چاہتا ہے وسعت پیدا کرتا ہے اور جس کے رزق میں چاہتا ہے تنگی پیدا کرتا ہے:"قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ" اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے:تم خدا کی راہ میں جو بھی خرچ کروگے وہ اس کا بدلہ بہر حال عطا کرے گا اور وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

اگر چہ اس آیت کا معنی گذشتہ مطلب کی تاکید ہے لیکن دو جہت سے اس میں نیا معنی ہے: پہلا یہ کہ گذشتہ آیت کا معنی یہی معنی تھا مگر اس میں زیادہ تر کفار کے اموال اور اولاد کے سلسلہ میں بیان ہے جبکہ اس آیت میں کلمہٗ "عباد" (بندے) صاحبان ایمان کی طرف اشارہ ہے یعنی خداوند عالم صاحبان ایمان کی بھی روزی میں وسعت پیدا کرتا ہے اگر ان کی مصلحت کے مطابق ہو اور کبھی ان کی روزی میں تنگی پیدا کرتا ہے جب ان کی مصلحت اس بات کا تقاضا کرے۔ بہر حال روزی کی وسعت اور تنگی کسی انسان کے بارگاہ الٰہی میں مقرب ہونے یا اس کی بارگاہ سے دور ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ گذشتہ آیت دو مختلف افراد کی روزی میں وسعت اور تنگی کو بیان کر رہی تھی لیکن یہ آیہ کریمہ ممکن ہے ایک ہی انسان کی دو مختلف حالتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہو کہ کبھی اس کی روزی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی تنگی ۔

اس کے علاوہ آیت کے شروع میں بیان کیا جانے والا مطلب آخر آیت میں بیان ہونے والے مطلب کے لئے ایک مقدمہ ہے اور وہ راہ خدا میں انفاق کرنے کی تشویق کرنا ہے۔

جملہ" فھو یخلفہ" ایک بہترین تعبیر ہے جو اس بات کو بیان کررہی ہے کہ راہ خدا میں خرچ ہونے والی ہر شیء ایک فائدہ مند تجارت کے مثل ہے۔ اس لئے کہ خداوند عالم نے اس کے بدلے کو اپنے ذمہ لیا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ جب ایک کریم اور سخی انسان کسی چیز کے عوض کو اپنے ذمہ لیتا ہے تو وہ صرف برابری اور مساوات کی ہی رعایت نہیں کرتا بلکہ اس کے عوض کو کئی گنا اور کبھی کبھی سو گنا کر کے واپس کرتا ہے۔

البتہ یہ وعدۂ الٰہی روز قیامت سے مخصوص نہیں ہے وہ تو اپنی جگہ محفوظ ہے ہی بلکہ وہ دنیا میں بھی طرح طرح برکتوں اور رحمتوں کے ذریعہ اس انفاق کی جگہ کو بطور احسن پرُ کردیتا ہے۔

جملہ"ھُوَ خَیْرُ الرَّازِقِیْنَ" (وہ بہتر روزی دینے والا ہے) کا ایک وسیع اور عام معنی ہے اور مختلف زاویہ نظر سے غور وفکر کے قابل ہے۔

وہ تمام روزی دینے والوں میں سب سے بہتر ہے اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ کیا چیز عطا کرے اور کس مقدار میں عطا کرے تاکہ انسان کی تباہی اور گمراہی کا سبب نہ بننے پائے اسلئے کہ وہ ہر چیز سے آگاہ ہے وہ جو بھی چاہے عطا کرسکتا ہے اسلئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وہ عطا کے مقابلہ میں جزا نہیں چاہتا اس لئے کہ وہ غنی بالذات ہے یعنی ہر چیز سے بے نیاز ہے یہاں تک کہ وہ بغیر درخواست اور طلب کے بھی بندوں کو عطا کرتا ہے اس لئے کہ وہ حکیم اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

بلکہ اس کے علاوہ اس کائنات میں کوئی دوسرا رازق ہی نہیں ہے اس لئے کہ ہر چیز اسی کی عطا ہے اور جو شخص بھی کسی دوسرے کو کوئی چیز دیتا ہے "وہ روزی کو منتقل کرنے والا ہے" روزی دینے والا نہیں ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ پروردگار فنا ہو جانے والے مال کے بدلے باقی رہنے والی نعمت عطا کرتا ہے اور "قلیل" مال کے عوض میں "کثیر" نعمت عطا کرنے والا ہے۔

چند اہم نکتے

الف) انفاق اضافہ کا سبب ہے کمی اور نقصان کا نہیں

مذکورہ بالا آیت میں فرمان خدا ہے: "راہ خدا میں جو کچھ بھی خرچ کروگے خداوند عالم بہر حال اس کا بدلہ دے گا" یہ ایک بہت ہی معنی دار تعبیر ہے:

(۱) کلمہ "شیء" اپنے وسیع اور عام معنی میں ہر قسم کے مادی، معنوی اور چھوٹے بڑے انفاق کو شامل ہے اسی طرح ہر ضرورت مند شخص جس پر انفاق کیا جائے سب کو شامل ہے۔

سب سے اہم بات انسان کا اپنے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا ہے کیفیت اور کمیت (مقدار) معیار نہیں ہے۔

۲) پروردگار اپنی راہ میں خرچ ہونے والے مال کو فنا سے نکال کر بقا کا رنگ دینا چاہتا ہے اس

لئے کہ اس نے ضمانت لی ہے کہ اپنی کئی گنا اور کبھی ہزار گنا (اور کم از کم دس گنا) مادی اور معنوی نعمتوں کے ذریعہ اس انفاق کا عوض دے گا۔

لہٰذا انفاق کرنے والا جب اس جذبہ اور عقیدہ کے تحت راہ خدا میں اپنے مال کو خرچ کرتا ہے تو وہ زیادہ سخاوت کے ساتھ خرچ کرتا ہے، اور کبھی بھی نقصان، کمی اور فقر و تنگدستی کی فکر نہیں کرتا بلکہ پروردگار کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس نے اسے اپنے ساتھ ایک فائدہ مند تجارت کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔

اور یہ وہی تعبیر ہے جسے پروردگار عالم نے سورۂ صف کی دسویں اور گیارہویں آےت میں بیان فرمایا ہے:

< يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِه وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ >

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کی طرف رہنمائی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچائے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کرو اگر تم جاننے والے ہو تو یہی تمہارے حق میں سب سے بہتر ہے۔

رسول خدا سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ينادي مناد كل ليلة لدوا للموت!

ينادي منادابنوا للخراب!

وينادي منادا اللّٰهمّ هبّ للمنفق خلفاً!

وينادي مناد اللّهمّ هبّ للممسك تلفاً!

وينادي مناد ليت الناس لم يخلقوا!

وينادي مناد ليتهم اذخلقوا فكروا فيما له خلقوا!

ہر رات ایک آسمانی منادی ندا دیتا ہے (اے انسانوں!) پیدا کرو مرنے کے لئے۔

دوسرا ندا دیتا ہے: گھر بناؤ ویران ہونے کے لئے۔

ایک منادی ندا دیتا ہے: پروردگارا! جو لوگ انفاق کرنے والے ہیں ان کے لئے عوض اور بدلہ قرار دے۔

اور ایک منادی ندا دیتا ہے: پروردگارا! جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں ان کے اموال کو ضائع کر دے۔

دوسرا ندا دیتا ہے: اے کاش کہ انسان خلق نہ ہوئے ہوتے۔

دوسرا ندا دیتا ہے: اب جبکہ انسان خلق کر دیئے گئے ہیں اے کاش کہ ذرا فکر کرتے کہ کس لئے خلق کئے گئے ہیں۔

یہ ندا دینے والے فرشتے ہیں جو پروردگار کے حکم سے اس کائنات کے امور کی تدبیر کرتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں آنحضرت ارشاد فرماتے ہیں:

"من ايقن بالخلف سخت نفسه بالنّفقة"

جو عوض اور بدلے کا یقین رکھتا ہوگا وہ سخاوت کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرتا ہے۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے بھی ایک حدیث میں اسی مطلب کو بیان فرمایا ہے۔

لیکن سب سے اہم مسئلہ انفاق کا حلال اور جائز مال میں سے ہونا ہے اس لئے کہ خداوند مال حرام سے انفاق کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس میں برکت عطا کرتا ہے۔

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کی: قرآن میں دو ایسی آیتیں ہیں جن کو میں کافی غور و فکر کے بعد بھی نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ کون سی آیات ہیں؟ اس شخص نے عرض کی: پہلی آیت یہ ہے جس میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" "مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا"۔ اس آیت کے مطابق میں پروردگار سے دعا کرتا ہوں لیکن میری دعا قبول نہیں ہوتی۔

امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کیا تم فکر کر رہے ہو کہ پروردگار نے وعدہ خلافی کی ہے؟ اس نے عرض کی:

ہرگز نہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: پھر کیا وجہ ہے؟

اس نے کہا: میں نہیں جانتا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: لیکن میں تمہیں اس کی وجہ بتاتا ہوں:

"من اطاع اللہ عزوجل فیما امرہ من دعائہ من جھة الدعاء اجابه"

خداوند عالم نے دعا کرنے کے سلسلہ میں جس طریقۂ دعا کا حکم دیا ہے جو شخص بھی اس میں پروردگار کی اطاعت کرے گا وہ اس کی دعا قبول کرے گا۔

اس نے سوال کیا: وہ طریقۂ دعا کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: سب سے پہلے خدا کی حمد وثنا کرو اور اس کی نعمتوں کو یاد کرو اور اس کا شکر ادا کرو پھر صلوات پڑھو، اس کے بعد اپنے گناہوں کو یاد کرو، اور بارگاہ الٰہی میں ان کا اعتراف کرو اور خدا سے پناہ طلب کرو، گناہوں سے توبہ کرو، یہ ہے طریقہ دُعا۔

اس کے بعد آپ ـ نے فرمایا: دوسری آیت کون سی ہے؟

اس نے عرض کی: یہ آیہ کریمہ ہے:

"وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُه"

میں راہ خدا میں خرچ کرتا ہوں لیکن کوئی ایسی چیز جو اس کا بدلہ ہو مجھے نظر نہیں آتی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا کیا تم خیال کررہے ہو کہ خدا نے اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کی ہے؟

اس نے کہا: نہیں ہرگز نہیں۔

آپ ـ نے فرمایا: پھر ایسا کیوں ہے؟

اس نے عرض کی: مجھے علم نہیں۔

آپ ـ نے فرمایا:

" لوان احد کم ا کتسب المال من حلّه وانفقه فی حلّه لم ینفق درهماً اِلّاا خلف علیه"

تم میں سے جو شخص بھی مال حلال حاصل کرے اور راہ خدا میں حلال طریقہ سے خرچ کرے تو وہ ایک درہم بھی انفاق نہیں کرے گا مگر یہ کہ پروردگار اس کا عوض اسے ضرور عطا کرے گا۔

(ب) اپنے اموال خدا کے پاس محفوظ کرو

اس مقام ایک پر مفسر قرآن نے ایک بہت خوبصورت تحلیل پیش کی ہے وہ کہتے ہیں: تعجب کی بات ہے کہ اگر کسی تاجر کو معلوم ہو جائے کہ اس کا مال ضائع اور برباد ہونے والا ہے تو وہ قرض پر بھی اسے بیچنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے چاہے خریدار فقیر ہی کیوں نہ ہو وہ کہتا ہے کہ فقیر کے ہاتھ قرض کے طور پر بیچنا اس سے بہتر ہے کہ اسے ایسے ہی چھوڑ دیا جائے وہ ضائع ہو جائے۔ اور اگر ایسی حالت میں کوئی تاجر اپنے سامان کو بیچنے پر اقدام نہ کرے اور سرمایہ ضائع ہو جائے تو ہر ایک اسے "خطا کار" کہے گا۔

اور اگر ایسی صورت میں تاجر کو کوئی مالدار خریدار مل جائے اور اس کے ہاتھ نہ بیچے تو اسے بے عقل کہا جائے گا۔

اور اگر اسے ایک مالدار اور ثروت مند انسان مل جائے جو قابل اطمینان سند اور قول نامہ لکھ کر اسے دے اور تاجر اس کے ہاتھ فروخت نہ کرے تو اس کو دیوانہ کہا جاتا ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ ہم سب یہی کام کرتے ہیں اور کوئی بھی اسے جنون اور دیوانگی نہیں کہتا۔

اس لئے کہ ہمارے سارے اموال زائل اور ختم ہو جانے والے ہیں ہم چاہیں یا نہ چاہیں ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں گے فنا ہو جانے والے مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا گویا اس کو قرض دینا ہے اور وہ بہت ہی معتبر ضامن ہے جو فرماتا ہے: "وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ" حالانکہ خود پروردگار نے ان ساری نعمتوں کو ہمارے پاس رہن رکھا ہے اس لئے کہ جو کچھ بھی انسان کے اختیار میں ہے وہ خدا کی طرف سے عاریہ کے طور پر ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجودہم اپنے بہت سے اموال میں سے انفاق نہیں کرتے اورآخرکار وہ ہمارے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں نہ ہی ان میں کوئی اجرملتا ہےاورنہ ہی کوئی شخص ہماراشکریہ ادا کرتا ہے۔

(ج)مفہوم انفاق کی وسعت

اسلام میں انفاق کےدائرہ کی وسعت کوجاننے کے لئے مندرجۂ ذیل حدیث کی طرف توجہ ہی کافی ہے:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشادفرمایا:

"کل معروف صدقة ،وما انفق الرجل علی نفسه واهله كتب له صدقة وما وقیٰ به الرّجل عرضه فهو صدقة،وما انفق الرّجل من نفقة فعلیٰ الله خلفها الا ما کان من نفقة فی بنیان اوٴ معصیة"

ہرنیک کام جوراہ خدا میں انجام پائے وہ صدقہ اورانفاق ہے (صدقہ صرف مالی انفاق سے مخصوص نہیں ہے)اورجوکچھ بھی انسان اپنی اوراپنے خانوادہ کی ضرورتوں کوپورا کرنے کے لئےخرچ کرے وہ بھی انفاق اورصدقہ ہے۔انسان اپنی عزت وآبروکی حفاظت کے لئے جو کچھ خرچ کرتا ہےاسے بھی صدقہ اورانفاق کہا جا تا ہےاورانسان جوکچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرے گااس کاعوض اور بدلہ خدا کے ذمہ ہےمگر یہ کہ وہ مال جوگھر بنانے یا خدا کی نافرمانی اورگناہ میں خرچ کیا جائے۔

حدیث میں گھر بنانے پر خرچ ہونے والے مال کو انفاق اور صدقہ سے الگ کرنے کی وجہ ممکن ہے کہ یہ ہو کہ گھر باقی رہنے والی چیز ہے اس کے علاوہ اکثر لوگوں کی توجہ اورنگاہ بھی اسی پر ہوتی ہے۔

۷. تمہارے انفاق خدا کے یہاں محفوظ ہیں

<وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُه ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ> (سورئہ بقرہ: آیت ۲۷)

اور تم جو کچھ بھی خدا کی راہ میں خرچ کروگے یا نذر کروگے تو خدا اس سے باخبر ہے البتہ ظالمین کا کوئی مددگار نہیں ہے۔

وضاحت

یہ آیہ کریمہ ہم کو اس بات کی طرف توجہ دلا رہی ہے کہ تم جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کروچاہے واجب ہو یا مستحب، کم ہو یا زیادہ، حلال طریقہ سے حاصل کیا ہو یا حرام راستہ سے، خلوص کے ساتھ راہ خدا میں انفاق کیا ہو یا ریاکاری کے ساتھ، منت اور اذیت کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر، ان اموال میں سے ہو جن کے انفاق کرنے کا حکم خدا نے دیا ہے یا نذر کے ذریعہ اپنے اوپر واجب کرلیا ہے جس طرح بھی ہو خدا اس سے آگاہ اور باخبر ہے اور اسی کے مطابق جزا دے گا۔

مختصر یہ کہ سارے انفاق پروردگار کی نگاہوں کے سامنے ہیں کتنا اچھا ہوتا کہ سارے انفاق پاک و پاکیزہ اور حلال اموال میں سے ہوں۔

"وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ"

یہ آیہ کریمہ اس بات کا پیغام دے رہی ہے کہ: ستمگروں اور ظالموں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا یعنی جو لوگ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ محروموں اور فقیروں کو نجات دلاتے ہیں یا سماجی کاموں میں اپنے مال کو خرچ کر کے سب کے لئے آرام و آسائش کے سامان فراہم کرتے ہیں یہ انفاق دنیا و آخرت میں ان کا ناصر و مددگار رہوگا اور وہ ضرورت کے وقت اس سے استفادہ کریں گے۔ جبکہ مالدار بخیل یا انفاق کرنے والے ریا کار اور لوگوں کو تکلیف پہچانے والے، اس طرح کے ناصر و مددگار سے محروم ہوں گے۔

ممکن ہے کہ یہ جملہ اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو کہ ریا کاروں، بخیلوں اور منت گذاروں اور اذیت پہنچانے والوں کے لئے قیامت میں عذاب الٰہی کے مقابلے میں کوئی بھی ان کا حامی و مددگار اور شفاعت کرنے والا نہ ہوگا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ظلم و ستم کرنے والے ہیں جنہو ں نے فقیروں کے حقوق کو پامال کیا ہے۔ عدالت الٰہی میں کوئی ان کا دفاع کرنے والا نہ ہوگا اور یہ ان کے ظلم و ستم کا نتیجہ ہوگا۔

اور خوشا بحال ان افراد کا جنہوں نے انسانی امداد اور راہ خدا میں انفاق کے ذریعہ اپنے لئے ناصر و مددگار کا انتظام کر رکھا ہے۔

۸.راہ خدا میں انفاق کرو اور فقر سے نہ ڈرو

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

>اَلشَّیْطَانُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللهُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً وَّاللهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ< (سورئہ بقرہ آیت/۲۶۸)

شیطان تم سے (انفاق کے وقت) فقیری کا وعدہ کرتا ہے اور تمہیں برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ اور خدا مغفرت اور فضل واحسان کا وعدہ کرتا ہے۔ خدا صاحب وسعت بھی ہے اور علیم ودانا بھی۔

شیطانی افکار سے جنگ

خداوند عالم اس سے پہلی والی آیت میں فرماتا ہے کہ: راہ خدا میں خرچ کرتے یا زکوٰۃ نکالتے وقت شیطان تمہیں فقیری اور تنگدستی سے ڈراتا ہے (خاص طور سے اس وقت جب اچھے اور قابل توجہ اموال کو خرچ کرنا چاہو) اور بسا اوقات یہ شیطانی وسوسہ انفاق اور بخشش کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہےں یہاں تک کہ یہ بھی ممکن ہے یہ وسوسہ، خمس وزکوٰۃ نکالنے اور دوسرے واجب انفاق میں بھی اثر انداز ہوجائیں۔

پروردگار لوگوں کو آگاہ اور خبردار کرنا چاہتا ہے کہ فقر اور تنگدستی کے خوف سے انفاق نہ کرنا ایک غلط فکر اور شیطانی وسوسہ ہے اور چونکہ یہ ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے یہ خوف فقر اگرچہ شیطان کی طرف سے ہے لیکن ایک منطقی اور قابل توجہ خوف ہے۔لہٰذا بلا فاصلہ ارشاد

فرماتا ہے

"وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ"

شیطان تمہیں گناہ اور نافرمانی پراکساتا ہے لہٰذا یہ فقر اور تنگدستی کا ایک غلط اور بے جا خوف ہے اس لئے کہ شیطان باطل اور گمراہی کے علاوہ کسی اور چیز کی دعوت نہیں دیتا۔

درحقیقت ہر منفی فکر کا سرچشمہ فطرت سے انحراف اور شیطانی وسوسہ کے سامنے سرتسلیم خم کرنا ہے لیکن ہر مثبت اور کارساز فکر اور بلند نظری سے آمیختہ فکر کا سرچشمہ الٰہی الہام اور خداداد پاک و پاکیزہ فطرت ہے۔

چونکہ شیطانی وسوسہ قوانین خلقت اور سنت الٰہی کے خلاف ہے لہٰذا اس کا نتیجہ بھی انسان کے لئے بدبختی ہے۔

اس کے مقابلے میں قوانین الٰہی انسانی فطرت اور خلقت کے عین مطابق ہیں۔

واضح لفظوں میں یہ کہ پہلی نظر میں انفاق اور مال کو خرچ کرنا مال کو کم کرنے کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور یہ وہی شیطانی نظریہ ہے۔لیکن غور و فکر اور وسعت نظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انفاق معاشرہ کی بقا کا ضامن، سماجی عدالت کو مستحکم و استوار کرنے والا ہے اور طبقاتی فاصلے کو کم کرنے کا سبب اور ترقی کا ذریعہ ہے اور یہ بات بھی مسلّم ہے کہ معاشرہ کی ترقی کی صورت میں اس معاشرے میں زندگی بسر کرنے والے آرام و آسائش کے ساتھ زندگی گزاریں گے اور یہ وہی الٰہی نظریہ اور طرز فکر ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک بدبخت اور ناکارہ معاشرہ میں ایک خوشنخت اور سعادت مند زندگی بسر نہیں کی

جاسکتی۔

لہٰذا قرآن مجید مسلمانوں کو اس اہم امر کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ اگر ظاہراً انفاق تمہاری کسی چیز کو کم کر رہا ہے لیکن حقیقت میں وہ تمہارے سرمایہ میں ہی اضافہ کرتا ہے اور مادی و معنوی دونوں لحاظ سے سعادت و خوشبختی کا سبب بنتا ہے۔

آج دنیا میں جہاں طبقاتی فاصلہ، جنگوں اور دوسرے حوادث میں مال و دولت کی بربادی کے پیش نظر اس آیت کے معنی کو درک کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

اس آیہ کریمہ سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ "انفاق نہ کرنے" اور فحشاء اور اخلاقی برائیوں کے درمیان ایک گہرا رابطہ پایا جاتا ہے۔ اگر فحشاء، بخل اور کنجوسی کے معنی میں ہو تو ان دونوں کے درمیان اس اعتبار سے رابطہ ہے کہ راہ خدا میں انفاق اور بخشش کو ترک کرنا آہستہ آہستہ انسان کے اندر بخل جیسی بری صفت پیدا کردیتا ہے اور اگر فحشاء ہر طرح کے گناہ یا جنسی گناہ کے معنی میں ہو تو فحشاء اور ترک انفاق کے درمیان کا رابطہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہے اس لئے کہ بہت سے گناہ جیسے بے عفتی اور جسم فروشی کی جڑ، غربت، فقیری اور ناداری ہے۔

اس کے علاوہ راہ خدا میں انفاق کرنے کے کچھ معنوی اثرات و برکات پائے جاتے ہیں جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"وَاللهُ يَعِدُكُمْ مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلاً"

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ انفاق کرتے وقت دو چیز خدا کی طرف سے ہوتی ہیں اور دو چیز شیطان کی جانب سے، خدا کی طرف سے گناہوں سے مغفرت اور

روزی میں برکت و وسعت اور شیطان کی جانب سے فقر کا خوف اور فحشاء اور گناہ کا حکم۔

لہٰذا آیہ کریمہ میں مغفرت سے مراد گناہوں کی بخشش اور معافی ہے اور فضل سے مراد انفاق کے سایہ میں وسعت اور گشائش رزق و روزی ہے (جیسا کہ ابن عباس سے اس مطلب کو نقل کیا گیا ہے)

حضرت علی نے ارشاد فرمایا جب سختی اور تنگدستی میں گرفتار ہو جاؤ تو راہ خدا میں انفاق کر کے خدا کے ساتھ تجارت کرو یعنی راہ خدا میں خرچ کرو تا کہ تنگدستی سے نجات حاصل کرسکو۔

پروردگار عالم آخر آیت میں فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ"

اس فقرہ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ چونکہ خداوند عالم کی قدرت وسیع اور لا محدود ہے لہٰذا وہ اپنے کئے ہوئے وعدوں پر عمل کرسکتا ہے۔ پس اس کے وعدہ پر اطمینان رکھنا چاہئے۔ نہ کہ مکار اور کمزور شیطان کے وعدہ پر۔ جو انسان کو گناہوں کی طرف کھینچتا ہے اور چونکہ وہ مستقبل سے آگاہ نہیں ہے اور قدرت نہیں رکھتا لہٰذا اس کا وعدہ گمراہی اور گناہوں کی تشویق کے علاوہ کچھ اور ہو ہی نہیں ہوسکتا۔

۹. غیر مسلمین پر انفاق کرو

>لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (سورہ بقرہ:آیت ۲۷۲)

اے پیغمبر! ان کی ہدایت پا جانے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے بلکہ خدا جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور اے لوگو! جو مال بھی تم راہ خدا میں خرچ کرو گے وہ دراصل اپنے ہی لئے ہوگا اور تم صرف خوشنودی خدا کے لئے خرچ کرتے رہو اور جو کچھ بھی خرچ کرو گے پورا پورا تمہاری طرف واپس آئے گا اور تم پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

شان نزول

تفسیر مجمع البیان میں اس آیت کے نزول کے بارے میں عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ مسلمان، غیر مسلمین پر انفاق اور ان کی مدد کرنے پر راضی نہیں تھے لہٰذا مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ ضرورت کے وقت غیر مسلمین پر انفاق اور ان کی مدد کی جاسکتی ہے۔

اس آیت کا ایک دوسرا بھی شان نزول نقل ہوا ہے جو گزشتہ شان نزول سے مختلف ہے اور وہ یہ ہے کہ سفر "عمرۃ القضاء" میں اسماء نامی ایک مسلمان خاتون رسول خد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس کی ماں اور دادی اسے تلاش کرتی ہوئی اس کے پاس آئیں اور اس سے مالی مدد چاہی۔ چونکہ یہ دونوں مشرک اور بت پرست تھیں لہٰذا اسماء نے ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اس سلسلہ میں پہلے آنحضرت سے اجازت حاصل کرلوں اس لئے کہ آپ لوگ میرے دین کی پیروکار نہیں ہیں۔

اسماء رسول خد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کی خدمت میں آئی اور اس سلسلہ میں آپ سے

اجازت طلب کی ،اس وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور اسماءکو اپنی غیر مسلم ماں اور دادی پر خرچ اور مالی مدد کی اجازت دی۔

توضیح

پروردگار عالم فرماتا ہے:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ

اس جملہ کے مخاطب رسول خد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ہیں۔اس آیت اور اس سے قبل کی آیات میں رابطہ پایا جاتا ہے اس لئے کہ ان آیات میں مسئلہ انفاق کو کلی طور پر بیان کیا گیا ہے اور اس آیت میں غیر مسلمین پر انفاق کرنے کے جواز کا تذکرہ ہے یعنی غیر مسلم فقراء اور مساکین پر اس مقصد کے تحت انفاق نہ کرنا کہ وہ فقر اور سختی کے دباؤ میں آ کر اسلام قبول کرلیں اور ہدایت پا جائیں یہ صحیح نہیں ہے۔جس طرح سے خداوند عالم کی نعمتیں اور بخششیں اس کائنات میں تمام انسانوں کے لئے ہیں (ان کے عقیدہ اور دین سے قطع نظر) لہٰذا مومنین کو چاہیئے کہ مستحبی انفاق اور مالی امداد اور فقراء کی ضرورتوں کو پورا کرتے وقت غیر مسلم فقیروں اور ناداروں کا بھی خیال رکھیں۔

البتہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب غیر مسلمین فقراء پر انفاق اور ان کی مالی امداد ایک انسانی مدد کے عنوان سے ہو،کفر کی تقویت اور دشمنوں کے ناپاک منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نہ ہو۔بلکہ یہ انفاق غیر مسلمین کو اسلام کی انسان دوستی کی تعلیم سے آگاہ کرنے کا سبب بنے۔

۔۔۔۔"پیغمبر اسلام کے اوپر انسانوں کی ہدایت کرنا واجب نہیں ہے" اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آنحضرت تبلیغ اور لوگوں کی راہنمائی کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ تبلیغ اور راہنمائی آپ کی ایک بنیادی ذمہ داری ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ لوگوں پر دباؤ ڈالیں اور انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کریں۔ دوسرے لفظوں میں مراد جبری ہدایت کی نفی ہے نہ کہ اختیاری ہدایت کی یا پھر اس سے مراد ہدایت تکوینی کی نفی ہے نہ کہ ہدایت تشریعی کی۔

انفاق کا اثر انفاق کرنے والے کی زندگی میں

خداوند عالم فرماتا ہے:

"وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ"

یہ جملہ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ راہ خدا میں انفاق کے فائدے تمہاری طرف ہی پلٹتے ہیں اور دوسری طرف انفاق کرنے والے کو اس پسندیدہ عمل کی تشویق کر رہا ہے اس لئے کہ جب انسان کو اس بات کا علم ہو کہ اس کے عمل کا نتیجہ اور فائدہ خود اسی کو حاصل ہونے والا ہے تو وہ اس کام کو اور مزید دلچسپی کے ساتھ انجام دے گا۔ ممکن ہے کہ شروع میں ایسا معلوم ہو کہ یہاں پر انفاق کے فائدے سے مراد اخروی ثواب اور انعامات الٰہی ہیں اگر چہ یہ معنی اپنی جگہ صحیح ہے لیکن یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ انفاق کے فائدے اور ثواب صرف آخرت سے مخصوص ہیں اور وہیں ملیں گے بلکہ اس دنیا میں بھی انھیں اس کا فائدہ پہنچے گا

۔انفاق کے دنیاوی فائدے میں سے معنوی اعتبار سے انفاق کرنے والے میں عفودر گذشت، بخشش، فدا کاری اورانسان دوستی کے جذبہ کو پروان چڑھاتا ہے روحی تکامل اور شخصیت کے پروان چڑھنے میں موئثر رواقع ہوتا ہے اور مادی لحاظ سے سماج میں محروم اور فقیر افراد کا وجود بہت سی مشکلات کا سبب بنتا ہے۔یہی مشکلات کبھی کبھی پوری مالکیت کوختم اورسارے مال وثروت کونگل کر نیست ونابود کر دیتی ہیں۔انفاق، طبقاتی فاصلہ کوختم کرتا ہے اورطبقاتی فاصلہ کی وجہ سے ہونے والے خطرات کونیست ونابود کر دیتا ہے۔

انفاق محروم طبقہ کے غصہ اور بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھا دیتا ہے اوران کے جذبہ انتقام اور کینہ وحسد کوختم کر دیتا ہے۔

لہٰذا سماج کی سلامتی اورانسیت کے اعتبار سے انفاق خود،انفاق کرنے والے کے نفع اورحق میں ہے۔

پروردگار عالم فرماتا ہے:

"وَمَا تُنفِقُونَ إِلاَّ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّهِ"

یعنی مسلمان اپنے اموال کوراہ خدا میں خرچ نہیں کرتے مگر پروردگار کی رضایت اورخوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔

بعض مفسرین کے قول کے مطابق ممکن ہے کہ یہ جملہ "جملہ خبریہ" ہو اور "نہی" کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو یعنی اے مسلمانو! انفاق نہ کرو مگر رضائے پروردگار کے لئے۔اس لئے کہ انفاق کے سارے فائدے اسی وقت سامنے آئیں گے جب خدا اوراس کی رضا کے لئے اسے انجام دیا جائے۔

معنی وجہُ اللّٰہ

لغت میں وجہ چہرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی "ذات" کے معنی میں بھی آتا ہے۔ لہٰذا "وجہ اللہ" سے مراد ذات پروردگار ہے یعنی انفاق کرنے والے کو چاہئے کہ پروردگار اور اس کی خوشنودی کو نظر میں رکھے۔ آیہ کریمہ میں کلمہ وجہ کو استعمال کیا جانا ایک طرح کی تاکید ہے اس لئے جملہ "برائے ذات خدا" کی تاکید جملہ "برائے خدا" سے زیادہ ہے۔

اس کے علاوہ چہرہ بدن کا سب سے اہم اور نمایاں حصہ ہے اس لئے کہ بہت سے اہم اعضاء، آنکھ، کان، زبان، چہرہ ہی کا جزء ہیں۔ لہٰذا کلمہ وجہ کا استعمال شرافت، اہمیت اور عظمت کی نشاندہی کرتا ہے اور آیت میں کلمہ وجہ بطور کنایہ ذات پروردگار کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ جو اس کی عظمت، احترام اور اہمیت کو سمجھاتا ہے ورنہ واضح سی بات ہے کہ خدا کا نہ جسم ہے اور نہ ہی اس کا چہرہ۔ آیت کے آخری حصہ میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ"

یہ جملہ گذشتہ بیان کو مزید واضح کر رہا ہے کہ "گمان نہ کرو کہ اپنے کئے ہوئے انفاق سے مختصر فائدہ حاصل کرو گے بلکہ تم جو کچھ انفاق کرو گے بطور کامل تمہیں پلٹا دیا جائے گا اور ذرہ برابر بھی تمہارے اوپر ظلم نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا دل کھول کر راہ خدا میں انفاق کرو۔"

یہ جملہ قیامت میں انسانی اعمال کے مجسم ہونے پر بھی ایک دلیل ہے اس لئے کہ اس میں بیان کیا جا رہا ہے کہ تم جو کچھ بھی انفاق کرو گے وہی تمہیں واپس کر دیا جائے گا۔ لہٰذا اس کے

بارے میں آپ خوب غور وفکر کریں۔

۱۰.انفاق کر کے اپنے آپ کو خطروں سے بچائیں

>وَاَنۡفِقُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ وَاَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ<(سورئہ بقرہ: آیت ۱۹۵)

خدا کی راہ میں انفاق کرو (ترک انفاق سے) خود کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو کیونکہ خداوندعالم نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

وضاحت

جہاد میں جس طرح مخلص، دلیر اور تجربہ کار افراد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مال ودولت کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ جہاں جہاد کے لئے روحی اور جسمی تیاری ضروری ہے وہیں مناسب اسلحہ اور جنگی وسائل کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جنگ میں مجاہدوں کے لئے بلند حوصلے کو کافی اہمیت حاصل ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ انہیں جنگی وسائل کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آیۂ مبارکہ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ اس راہ میں انفاق نہ کرنا گویا خود کو اور مسلمانوں کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

خاص طور سے صدر اسلام میں بہت سارے مسلمان میدان جنگ میں جانے کا شوق اور جذبہ تو رکھتے تھے لیکن فقیر اور نادار ہونے کی وجہ سے جنگ کے معمولی اسلحے اور وسائل کو بھی فراہم نہیں کر سکتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم بیان کرتا ہے کہ ایسے افراد رسول خدا کی خدمت میں آتے تھے اور آپ سے تقاضا کرتے تھے کہ ان کے لئے جنگی وسائل اور اسلحے فراہم کئے جائیں اور انہیں میدان جنگ میں پہنچایا جائے لیکن وسائل اور اسلحے فراہم نہ ہونے کی

صورت میں وہ افراد گریہ کناں اور غمگین آنحضرت کی خدمت سے واپس جاتے تھے:

"تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ"

اگر چہ یہ آیت، آیات جہاد کے ضمن میں نازل ہوئی ہے لیکن اس سے ایک سماجی حقیقت کا استفادہ کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ بطور کلی انفاق معاشرہ کے افراد کی ہلاکت سے نجات کا سبب ہے اسی کے برعکس جب انفاق اور فقراء کی امداد کو بھلا دیا جائے اور ساری دولت معاشرہ کے چند افراد کے پاس جمع ہو جائے تو محروموں اور فقیروں کی اکثریت وجود میں آئے گی اور بسا اوقات معاشرہ میں ایک عظیم اور زبردست دھما کہ ہو گا اور سرمایہ داروں کی جان و مال کو اس کی آگ میں جلا کر راکھ کر دے گا۔ (سورۂ توبہ۔آیت/ ۹۲)

اس بیان کے ذریعہ مسئلہ انفاق اور ہلاکت سے نجات کے درمیان رابطہ واضح ہو جاتا ہے۔ لٰہذا انفاق محروموں اور ناداروں کے لئے فائدہ مند ہونے سے پہلے دولت مندوں کے لئے فائدہ مند ہے۔ بے شک دولت کی تقسیم اس کی محافظ ہے جیسا کہ حضرت علی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"حَصِّنُوْا اَمْوَالَكُمْ بِالزَّكٰوةِ"

زکوۃ دے کر اپنے اموال کی حفاظت کرو۔

آیت کے آخری حصہ میں پروردگار عالم نے لوگوں کے ساتھ احسان اور نیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔"

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"

یعنی پروردگار عالم مرحلۂ جہاد اور انفاق سے مرحلۂ احسان اور کی طرف ہدایت کر رہا ہے اس

لئے کہ مرحلۂ احسان کا انسانی تکامل اور بلندی کا سب سے اہم مرحلہ ہے جس کی طرف اسلام نے انسانوں کو متوجہ کیا ہے۔

اس جملہ کا آیۂ انفاق کے ذیل میں ذکر کیا جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انفاق، احسان ، نیک برتاؤ اور مہربانی کے ساتھ ہونا چاہیئے اور ہر قسم کے احسان جتانے اور سامنے والے کو رنجیدہ اور دکھ دینے والی باتوں سے دور اور خالی ہونا چاہیئے۔

۱۱۔ کون لوگ آتش جہنم سے دور ہیں؟

<وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى۔ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى>

اوراس (بھڑکتی ہوئی آگ) سے عنقریب صاحب تقویٰ کو محفوظ رکھا جائے گا۔ جو اپنے مال کو دے کر پاکیزگی کا اہتمام کرتا ہے۔ (سورۂ لیل آیت: ۱۷، ۱۸)

اس مقام پر قرآن مجید ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو جہنم کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے دور ہوں گے۔

توضیح

آیۂ کریمہ میں لفظ (یَتَزَکّٰی) قصد قربت اور خلوص نیت کی طرف اشارہ ہے چاہے یہ جملہ روحی اور معنوی رشد و نمو حاصل کرنے یا اموال کی پاکیزگی کے معنی میں ہو۔ اس لئے کہ کلمہ" تزکیہ" رشد و نمو کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور پاک کرنے کے معنی میں بھی۔

سورہ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

<خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ>

پیغمبر آپ ان کے اموال میں سے زکوٰۃ لے لیجئے کہ اس کے ذریعہ یہ پاک و پاکیزہ ہو جائیں انہیں دعائیں دیجئے کہ آپ کی دعا ان کے لئے تسکین قلب کا باعث ہوگی۔ (سورۂ توبہ آیت/ ۱۰۳)

اس کے بعد انفاق میں خلوص نیت پر مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے: "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزٰى"

(جبکہ اس کے پاس کسی کا کوئی احسان نہیں ہے جس کی جزا دی جائے) بلکہ انسان کا مقصد صرف رضائے پروردگار کو حاصل کرنا ہے

"اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى"

(سوائے یہ کہ وہ خدائے بزرگ کی مرضی کا طلبگار رہے۔)

دوسرے لفظوں میں لوگوں کے درمیان بہت سے انفاق، اس کے اوپر کئے گئے انفاق کے جواب میں ہوتے ہیں اگر چہ حق شناسی اور احسان کا جواب احسان کے ذریعہ دینا ایک پسندیدہ کام ہے لیکن اس کا حساب متقین کے خالصانہ انفاق سے الگ ہے۔ اسی لئے مذکورہ آیات اس بات کو بیان کررہی ہےں کہ صاحبان تقویٰ کا دوسروں کے اوپر انفاق کرنا نہ ریا کاری کی بنا پر ہوتا ہے اور نہ ہی گذشتہ خدمات کے جواب میں ہوتا ہے بلکہ ان کا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی کا حصول ہوتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ان کے انفاق کو ایک خاص

اہمیت عطا کرتی ہے۔

آیہ کریمہ میں لفظ "وجہ" ذات کے معنی میں ہے اور اس سے مراد پروردگار کی رضایت اور خوشنودی ہے۔

تعبیر "ربہ الاعلیٰ" اس بات کی نشاندہی ہے کہ یہ انفاق معرفتخدا کے ساتھ انجام پاتا ہے۔ اس حالت میں کہ وہ پروردگار کی ربوبیت سے بھی آگاہ ہےں اور اس کے بلند و بالا مقام و منزلت سے بھی باخبر ہےں۔

اس کے ضمن میں ہر طرح کی غیر خدا کی نیت کی نفی بھی ہو رہی ہے جیسے خوشنامی اور لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لئے انفاق کرنا یا معاشرہ میں مقام و منزلت حاصل کرنے کے لئے اور اسی کے مثل دوسرے امور۔ اس لئے کہ جملہ

"اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى"

کا مفہوم انفاق کے مقصد کو پروردگار عالم کی مرضی اور خوشنودی سے مخصوص کرنا ہے۔

۱۲. بلند و بالا مقاصد تک پہنچنے کا راستہ

<لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِه عَلِيْمٌ> (سورئہ آل عمران: آیت ۹۲)

تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہ خدا میں انفاق نہ کرو اور جو کچھ بھی انفاق کرو گے خدا اس سے بالکل باخبر ہے۔

توضیح

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"

لغت میں کلمہ "برّ" وسعت کے میں معنی میں ہے اسی لئے وسیع صحراؤں اور بیابانوں کو "برّ" کہتے ہیں اور اسی مناسبت سے وہ نیک اعمال جن کا نتیجہ وسیع ہوتا ہے اور دوسروں تک بھی پہنچتا ہے اسے "برّ" کہا جاتا ہے کلمہ "برّ" اور "خیر" کے درمیان یہ فرق ہے کہ "برّ" اس نیکی کو کہتے ہیں جو توجہ، قصد اور اختیار کے ساتھ انجام دی جائے لیکن "خیر" دوسروں کے ساتھ کی جانے والی ہر نیکی کو کہتے ہیں چاہے قصد و ارادہ کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر۔

آیت اسی بات کی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ: تم ہرگز "برّ" اور نیکی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے مگر یہ کہ اپنی محبوب اور پسندیدہ چیزوں میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔

آیہ کریمہ میں کلمہ "برّ" سے مراد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں: بعض نے کہا ہے کہ "بِرّ" سے مراد بہشت ہے اور بعض نے تقویٰ اور پرہیزگاری کو مراد لیا ہے اور بعض نے جزائے خیر کو۔

لیکن دیگر آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ "برّ" ایک وسیع اور عام معنی میں ہے اور ہر طرح کی نیکی، ایمان اور عمل صالح کو برّ کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی ۱۷۷ ویں آیت میں آیا ہے کہ خدا، قیامت اور انبیائے الٰہی پر ایمان رکھنا، محتاجوں اور نیازمندوں کی مدد کرنا، نماز، روزہ، وفائے عہد اور مشکلات و سخت حوادث کے مقابلہ میں صبر کرنا یہ سب "برّ" ہیں۔

لہٰذا واقعی نیکی کے بلند و بالا مقام تک رسائی کی بہت سی شرطیں ہیں جن میں سے ایک شرط مال کا انفاق ہے جو انسان کے لئے ایک پسندیدہ اور محبوب شے ہے اس لئے کہ خدا سے واقعی محبت اور انسانی اخلاق و اقدار کا احترام اسی وقت معلوم ہو سکتا ہے جب انسان دورا ہے پر کھڑا ہو ایک طرف مال و دولت اور مقام و منصب ہو اور وہ اس سے شدید محبت رکھتا ہو اور دوسری طرف خدا، حقانیت، انسانی عطوفت اور احسان و نیکی ہو۔

اب اگر وہ خداوند عالم کے لئے مال و ثروت سے قطع نظر کر لے تو اس کی محبت سچی ہے اور اگر وہ اس سلسلہ میں فقط جزئی باتوں سے صرف نظر کرنے پر تیار ہو تو خداوند عالم سے اس کی محبت بھی اسی مقدار میں ہے۔ اور یہ چیز کسی کے ایمان اور شخصیت کو تولنے کا معیار و میزان ہے۔

دلوں میں آیات قرآنی کا نفوذ

صدر اسلام میں بعض مسلمانوں کے دلوں میں آیات قرآنی کا اتنا جلدی اور گہرا اثر ہوتا تھا کہ نزول آیات کے فوراً بعد اس کا اثر ظاہر ہو جاتا تھا۔ نمونہ کے طور پر مذکورہ آیت کے سلسلہ میں تاریخ اور تفسیر کی کتابوں میں مندرجہ ذیل واقعات آئے ہیں:

(ا) رسول خد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے صحابی ابوطلحہ انصاری کا مدینہ منورہ میں ایک بہت ہی وسیع و عریض کھجور کا باغ تھا، مدینہ میں ہر ایک کی زبان پر اس کا چرچا تھا۔ اس باغ میں پانی کا ایک چشمہ تھا۔ جب بھی رسولخدا اس باغ میں تشریف لے جاتے اس چشمہ سے پانی

پیتے اور وضو فرماتے تھے۔اس کے علاوہ اس باغ کی آمدنی بھی بہت اچھی تھی اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد ابوطلحہ انصاری آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ تو جانتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے محبوب شے یہی باغ ہے اور میں اس کو راہ خدا میں انفاق کرنا چاہتا ہوں تا کہ روز قیامت میرے لئے ذخیرہ بن سکے۔آپ نے فرمایا" بخ بخ ذٰلک مال رابح لک" شاباش شاباش یہی وہ ثروت ہے جو تمہارے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔اس کے بعد آپ نے فرمایا: میری نظر میں بہتر یہ ہے کہ اس باغ کو ضرورت منداور فقیر رشتہ داروں کو بخش دو۔"

ابوطلحہ انصاری نے رسول کریم کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اسے اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردیا۔

(۲) ایک دن جناب ابوذر کے گھر ایک مہمان آیا۔چونکہ جناب ابوذر سادہ اور معمولی زندگی بسر کرتے تھے لہٰذا انہوں نے مہمان سے معذرت چاہی کہ مشکلات کی بنا پر میں خود تمہاری مہمان نوازی نہیں کرسکتا۔فلاں مقام پر میرے چند اونٹ ہیں۔زحمت کر کے ان میں سے ایک سب سے اچھا اونٹ لیتے آؤ(تا کہ تمہارے لئے قربانی کروں)مہمان گیا اور ایک لاغراور کمزور اونٹ لے کر آیا۔جب ابوذر نے دیکھا تو اس سے فرمایا: تم نے حق امانت ادا نہیں کیا۔کیوں ایسا اونٹ لائے ہو؟اس نے جواب میں عرض کیا کہ: میں نے سوچا: ایک دن آپ کو ان اونٹوں کی ضرورت پڑے گی۔جناب ابوذر نے فرمایا: میری نیازمندی کا زمانہ وہ ہے جب میں اس دنیا سے آنکھ بند کرلوں (کتنا اچھا ہوگا کہ اس دن کے لئے کچھ ذخیرہ کرلوں)اورخداوندعالم فرماتا ہے:

"لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ"

(۳) خلیفہ عباسی ہارون رشید کی زوجہ زبیدہ کے پاس ایک بہت ہی گراں قیمتی قرآن تھا ،زبیدہ نے اسے زروزیورات اور جواہرات سے مزین کر رکھا تھا اور اس سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھی۔ایک دن جب اسی قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے آیہ

"لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰى تُنۡفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ"

تک پہنچی تو آیت کو پڑھ کر میں ڈوب گئی اوراپنے آپ سے کہا: میرے نزدیک اس قرآن سے زیادہ محبوب کوئی دوسری چیز نہیں ہے لہٰذا اسی کو راہ خدا میں انفاق کردینا چاہیئے۔اس نے ایک شخص کو جوہری کے پاس بھیجا اور اس قرآن کے سارے زروزیورات اور جواہرات کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے حجاز کے بیابانوں اور صحراؤں میں بیابان نشینوں کی پانی کی ضرورتوں کو پورا کرنے پر خرچ کردیا (کنویں کھدوائے)لوگ کہتے ہیں کہ ان کنوؤں کے آثار آج بھی موجود ہیں اور زبیدہ کے نام پر ان کا نام رکھا گیا ہے۔

وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَيۡءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ

آخر آیت میں انفاق کرنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرماتا ہے:تم جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کروگے،کم ہو یا زیادہ ،محبوب مال میں سے ہو یا غیر محبوب مال میں سے، خداوندعالم سب سے آگاہ اور باخبر ہے۔لہٰذا کوئی بھی چیز اس کے نزدیک نہ ہی گم ہوگی اور نہ ہی پوشیدہ اور نہ ہی اس کی کیفیت اس پر مخفی رہے گی۔(یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ راہ خدا میں انفاق ہونے والی ہر چیز محفوظ ہے اور انفاق کرنے والے روز قیامت ان سب کی جزا دریافت کریں گے۔)

انفاق، روایات اسلامی میں

(۱) رسولخدا نے ارشاد فرمایا:

من اعطى درهماً فى سبيل الله كتب الله له سبعمائة حسنة(۱)

جو شخص راہ خدا میں ایک درہم بھی خرچ کرے گا پروردگار اس کے نامۂ اعمال میں سات سو نیکیاں لکھے گا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ روایات میں راہ خدا میں انفاق کے علاوہ کسی دوسرے عمل خیر کے بارے میں اس طرح کے عظیم ثواب کا ذکر نہیں ملتا لہٰذا یہ روایت انفاق کی ایک خاص اہمیت کو بیان کررہی ہے جبکہ یہ کمترین جزا اور ثواب ہے جو انفاق کرنے والوں کو عطا کیا جائے گا ورنہ

"وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ"

کے مطابق کچھ افراد کو دوگنا یا کئی گنا ثواب ملے گا۔

۲) امیر المومنین حضرت علی نے ارشاد فرمایا:

طوبىٰ لمن انفق الفضل من ماله وامسك الفضل من كلامه(۲)

کتنے اچھے ہیں وہ افراد جو اپنی ضرورت کے بعد بچے ہوئے، مال کو انفاق کردیں اور فضول باتوں سے پرہیز کریں۔

۳) امام علی سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

ليس لاحد من دنيا الا ما انفقه على اخراه(۳)

دنیا سے ہر شخص کا وہی حصہ ہے جو اس نے اپنی آخرت کے لئے خرچ کیا ہے۔

۴) نیز ارشاد فرمایا:

انما لك من مالك ما قدّمته لاخرتك وا ئخّرته فللوارث(۴)

تمہارے مال میں بس وہی حصہ تمہارا ہے جو تم نے اپنی آخرت کے لئے بھیج رکھا ہے اور جو چھوڑ کر جاؤ گے وہ وارثوں کا حصہ ہوگا۔

تجربہ اور مشاہدہ بھی اسی بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بعض ورثہ میراث پر اس طرح دل باختہ ہوجاتے ہیں کہ صاحب مال کی طرف کم توجہ دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کی واجبی وصیت پر بھی عمل نہیں کرتے۔

۵) امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا:

ملعون ملعون من وهب الله له مالاً فلم يتصدّق منه بشيءٍ(5)

بارگاہ خدا سے نکالا ہوا اور ملعون ہے وہ شخص جسے خداوند عالم مال وثروت عطا کرے اور وہ اس میں سے راہ خدا میں خرچ نہ کرے۔

۶) امام علی ارشاد فرماتے ہیں:

انّ العبد اِذا مات قالت الملائكة ما قدم و قال الناس ما ائخّر (6)

جب کوئی شخص اس دنیا سے فوت کر جاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ مرنے والے نے آخرت کے لئے کیا بھیج رکھا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ وہ کیا چھوڑ کر گیا ہے۔

۷:۔ایک شخص امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں آیا اور عرض کی: میرے کئی بچّے ہیں اور (اس وقت) سب کے سب بیمار ہیں۔آپ نے فرمایا:

داو وہم بالصّدقۃ فلیس شیء اسرع اجابۃ من الصّدقۃ ولا اجدیٰ منفعۃ علی المریض من الصّدقۃ (7)

راہ خدا میں صدقہ دے کر مریضوں کا علاج کرو، دعا کی قبولیت کے لئے صدقہ سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے اور بیماروں کے علاج کے لئے اس سے زیادہ مفید اور نفع بخش کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

---

(۱) میزان الحکمۃ، ح ۲۰۶۲۴

(۲) بحارالانوار، ج/۹۶،ص/۱۱۷

(۳) غررالحکم

(۴) غررالحکم

(5) بحارالانوار، ج۹۶،ص ۱۳۳

(6) بحارالانوار، ج۹۶،ص ۱۱۵

(7) میزان الحکمۃ، ح ۱۰۳۶۶

دوسری فصل: انمول انفاق کے شرائط

۱۳. انمول انفاق

<یٰآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَیَمَّمُوْا الْخَبِیْثَ مِنْه تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِیْهِ اِلَّا اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰه غَنِیٌّ حَمِیْدٌ>(سورہ بقرہ: آیت ۲۶۷)

اے ایمان والوں: اپنی پاکیزہ کمائی اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے پیدا کیا ہے ،سب میں سے راہ خدا میں خرچ کرو اور خبردار انفاق کے ارادے سے خراب مال کو ہاتھ بھی نہ لگانا کہ اگر یہ مال تم کو دیا جائے تو آنکھ بند کئے بغیر چھوے ں گے بھی نہیں ۔ یاد رکھو کہ خدا سب سے بے نیاز اور سزاوار حمد وثنا بھی ہے۔

توضیح

اس آیہ کریمہ کی شان نزول کے بارے میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں سود کے ذریعہ مال ودولت جمع کر رکھا تھا اور اس مال میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے تھے۔ پروردگار عالم نے انہیں اس کام سے منع کیا اور انہیں حکم دیا کہ پاک اور حلال مال میں سے انفاق کریں۔

تفسیر مجمع البیان میں مذکورہ حدیث کونقل کرنے کے بعد امام علی سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ آیہ کریمہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو انفاق کے وقت خشک اور خراب کھجوروں کو اچھی کھجوروں میں ملا دیتے تھے لہٰذا انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اس کام سے پرہیز کریں۔

ان دونوں شان نزول میں آپس میں کوئی اختلاف نہیں ہے ممکن ہے کہ مذکورہ آیت دونوں افراد کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ پہلا شان نزول مال کی معنوی پاکیزگی کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا شان نزول انفاق کے ظاہری اور مادی مرغوبیت کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ سورۂ بقرہ کی ۲۷۵ ویں آیت کے مطابق جنہوں نے زمانۂ جاہلیت میں سودخوری کے ذریعہ مال وثروت جمع کر رکھا تھا آیت کے نزول کے بعد انہوں نے سودخوری سے پرہیز کیا تو گذشتہ اموال ان کے لئے حلال ہو گئے یعنی یہ قانون گذشتہ اموال میں نافذ نہیں ہوا۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ سود سے محفوظ مال کے حلال ہونے کے باوجود اس میں اور دوسرے اموال میں کافی فرق ہے۔ درحقیقت یہ مال ان اموال کی طرح ہے جو مکروہ اور ناپسندیدہ راستہ سے حاصل کیا گیا ہو۔

کن اموال کو انفاق کیا جائے

اس آیہ کریمہ میں راہ خدا میں انفاق کئے جانے والے مال کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ آیت کے پہلے جملہ میں پروردگار عالم، صاحبان ایمان کو حکم دے رہا ہے کہ "طیبات" میں سے

انفاق کرو۔لغت میں طیب، پاکیزہ کے معنی میں ہے اور طیبات اس کی جمع ہے۔جس طرح ظاہری اور مادی پاکیزہ چیز کو طیب کہا جاتا ہے اسی طرح باطنی اور معنوی پاکیزہ شے کو بھی طیب کہا جاتا ہے۔یعنی ایسے مال میں انفاق کرنا چاہیۓ جو اچھا،مفید اور قیمتی بھی ہو اور ہر طرح کے شک و شبہ اور آلودگی سے خالی بھی ہو۔

مذکورہ بالا شان نزول بھی آیت کی عمومیت پر تاکید کر رہا ہے۔جملہ "وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ اِلَّا اَ ّ ّنْ تُغْمِضُوا فِيهِ" (یعنی اور اگر یہ خراب مال تم کو دیا جائے تو آنکھ بند کئے بغیر چھوو گے بھی نہیں ،)اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس سے مراد صرف ظاہری پاکیزگی ہے۔اس لئے کہ با ایمان افراد بھی ظاہری اعتبار سے آلودہ اور بے قیمت یا معمولی مال کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور نہ ہی مشتبہ مال کو،مگر چشم پوشی اور کراہیت کے ساتھ۔

۱۴ .انفاق کے مختلف طریقے

جملہ "ما کسبتم" (جو تم حاصل کرو) تجارت کے ذریعہ حاصل ہونے والی آمدنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

لہٰذا جملہ "مما اخرجنا" ہر طرح کی آمدنی کو شامل ہے اس لئے کہ سارے اموال کا سرچشمہ زمین اور اس کے مختلف منابع ہیں یہاں تک کہ صنعت،تجارت اور کاریگری وغیرہ بھی اسی کے ذریعہ انجام پاتی ہے۔

اسی کے ضمن میں یہ جملہ اس بات کی طرف بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ پروردگار عالم نے ان

سارے منابع کو تمہارے اختیار میں قرار دیا ہے لہٰذا ان میں سے راہ خدا میں انفاق کرنے سے ذرہ برابر بھی مضائقہ نہیں کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

"وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنفِقُونَ وَلَسْتُم بِآخِذِيهِ إِلَّا أَن تُغْمِضُوا فِيهِ"

چونکہ بعض لوگوں کی عادت بن جاتی ہے کہ ہمیشہ کم قیمت، ناقابل استعمال چیزوں کو انفاق کرتے ہیں اس طرح کے انفاق نہ ہی انفاق کرنے والوں کی معنوی تربیت اور روحانی رشد کا سبب بنتے اور نہ ہی ضرورت مندوں کے لئے نفع بخش ثابت ہوتے ہیں بلکہ اس سے ان کی ایک طرح کی اہانت اور تحقیر ہوتی ہے۔

لہٰذا یہاں پر صاف لفظوں میں لوگوں کو اس کام سے منع کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: کیونکر اس طرح کے مال کو راہ خدا میں انفاق کر رہے ہو جسے تم بھی ناگواری اور کراہیت کے بغیر اسے قبول کرنے پر تیار نہ ہو گے؟!! کیا تمہارے مسلمان بھائی اور اس سے بالا تر وہ پروردگار کہ جس کی راہ میں انفاق کر رہے ہو وہ سب تمہاری نظر میں تم سے کمتر ہوں!

درحقیقت یہ آیہ کریمہ ایک دقیق نکتہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ یہ کہ جو کچھ راہ خدا میں خرچ کیا جاتا ہے اس کے ایک طرف فقراء اور ضرورت مند افراد ہیں اور دوسری طرف خدا ہے جس کی راہ میں انفاق کیا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر پست اور کم قیمت اموال کو منتخب کیا جائے تو ایک طرف مقام اقدس پروردگار کی توہین ہوگی کہ اس کو طیب اور پاکیزہ چیزوں کے لائق نہیں سمجھا اور دوسری طرف فقراء اور ضرورت مندوں کی تحقیر اور بے عزتی ہوگی۔ اس لئے

کہ ممکن ہے تنگدستی کے باوجود بھی وہ ایمان اور انسانیت کے بلند و بالا مرتبہ پر فائز ہوں اور اس طرح کے انفاق کے نتیجہ میں ان کی روح کبیدہ خاطر ہو جائے۔

اس بات کی طرف بھی توجہ ضروری ہے جو جملہ "لاتیمموا" (قصد و ارادہ نہ کرو) میں پوشیدہ ہے۔اس جملہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان جو کچھ بھی انفاق کر رہا ہے اگر اس کے درمیان بغیر کسی توجہ کے کوئی ناپسندیدہ اور کم قیمت چیز شامل ہو جائے تو یہ شخص مذکورہ حکم میں داخل نہیں ہے اس لئے کہ یہ حکم ان لوگوں کے سلسلہ میں ہے جو جان بوجھ کر اس طرح کے انفاق پر اقدام کرتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ"

آگاہ رہو کہ اس خدا کی راہ میں خرچ کر رہے ہو جو تمہارے انفاق سے بے نیاز ہے اور ساری حمد و ثنا اسی کے لئے ہے اس لئے کہ اسی نے یہ ساری نعمتیں تمہارے اختیار میں قرار دی ہیں۔

یہ احتمال بھی پایا جاتا ہے کہ یہاں پر "حمید" (تعریف کرنے والے) کے معنی میں ہو یعنی پروردگار عالم تمہارے انفاق سے بے نیازی کے باوجود تمہاری تعریف کرتا ہے اور تمہیں اس کی جزا دیتا ہے لہٰذا کوشش کرو کہ پاک و پاکیزہ اور حلال اموال میں سے اس کی راہ میں انفاق کرو۔

۱۵ .انفاق ہر چیز اور ہر طریقہ سے

<اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ>(سورئہ بقرہ: آیت ۲۷۴)

جولوگ اپنے اموال کوراہ خدا میں رات میں، دن میں، خاموشی سے اور علانیہ خرچ کرتے ہیں ان کے لئے پیش پروردگار اجر بھی ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ حزن۔

توضیح

بہت سی روایات میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت علی کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ آپ نے ایک درہم رات میں، ایک درہم دن میں، ایک درہم علانیہ اور ایک درہم خاموشی سے اور پوشیدہ طور سے راہ خدا میں انفاق کیا تھا۔لیکن قرآن کریم نے اسے انفاق کے مختلف طریقے اور کیفیتوں کے سلسلہ میں ایک حکم کے عنوان سے بیان کیا ہے اور انفاق کرنے والوں کی یہ ذمہ داری قرار دی ہے کہ وہ علانیہ اور پوشیدہ انفاق کرنے کے لحاظ سے سامنے والے کی اخلاقی اور سماجی حیثیت اور عزت وآبرو کی حفاظت کا خاص خیال رکھیں۔

یعنی جب حاجت مند پر انفاق کو ظاہر کرنے کی کوئی علت اور سبب نہ ہوتو ان کی عزت وآبرو کی حفاظت اور مزید خلوص کے لئے پوشیدہ طور پر انفاق کیا جائے اور جہاں پر کوئی مصلحت (مثلاً دینی شعائر کی تعظیم کرنا، دوسروں میں شوق پیدا کرنا ہو) اور کسی حاجت مند مسلمان کی بے

عزتی اور توہین کا سبب نہ ہوتو علانیہ انفاق کیا جا سکتا ہے۔

پروردگار عالم اس طرح انفاق کرنے والوں کو اجروثواب کیخوشخبری دیتے ہوئے فرماتا ہے:

--"فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ"

(ان کے لئے پیش پروردگار اجر بھی ہے اور انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ حزن) چونکہ انسان زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے آپ کو مال و دولت سے بے نیاز نہیں پاتا ہے لہٰذا وہ عام طور سے انہیں کھودینے پر غمگین ہوجاتا ہے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ آئندہ اس کے حالات کیسے ہوں گے۔

یہی فکر بہت سے مواقع پر انسان کو انفاق کرنے سے روک دیتی ہے۔لیکن وہ لوگ جو ایک طرف پروردگار کے کئے ہوئے وعدوں پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسری طرف انفاق کے سماجی اثرات و برکات کو جانتے ہیں۔ایسے لوگ راہ خدا میں انفاق کرتے ہیں نہ آئندہ کے سلسلہ میں فکر مند اور خوف زدہ ہوتے ہیں اور نہ مال کے چلے جانے پر غمگین ہوتے ہیں اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ انھوں نے جو چیز راہ خدا میں دی ہے اس سے کہیں زیادہ فضل خدااور اس کی انفرادی سماجی اور اخلاقی برکتوں میں سے اسے اس دنیا میں بھی حاصل ہو گا آخرت میں بھی۔

<قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَا هُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلَالٌ>

اورآپ میرے ایماندار بندوں سے کہہ دیجئے کہ نمازیں قائم کریں اور ہمارے رزق میں سے چھپا کراور علانیہ ہماری راہ میں انفاق کریں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جب نہ تجارت

کام آئے گی اور نہ دوستی۔(سورۂ ابراہیم آیت/۳۱)

توضیح

پروردگار عالم پہلے فرماتا ہے کہ: اے میرے رسول آپ میرے با ایمان بندوں سے کہہ دیجئے کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ بھی میں نے انہیں روزی عطا کی ہے اس میں سے چھپا کر اور علانیہ انفاق کریں

"قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَا هُمْ سِرًّا أَوَّ عَلَانِيَةً"

اس کے بعد فرماتا ہے: قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس دن نہ ہی تجارت کام آئے گی کہ انسان اس کے ذریعہ اخروی سعادت اور عذاب سے نجات کو خرید سکے اور نہ ہی کوئی دوستی اور رفاقت کام آئے گی

(مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلَالٌ)

بے شک اس دن بازار عمل بند ہو جائے گا اور کسی طرح کی کوئی بھی خرید و فروخت اور تجارت نہ ہوگی۔ صرف وہی زادراہ کام آئے گا جسے پہلے سے مہیا کر رکھا ہے اور ہر شخص اپنے عمل کے مطابق جزا یا سزا پائے گا۔ ایسے دن کے لئے بہترین زادراہ یہی انسانی امداد اور حاجت مندوں پر انفاق کرنا ہے۔

۱۶. پوشیدہ طور پر انفاق بہتر ہے

<اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِیَ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَ تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَ یُکَفِّرُ عَنۡکُمۡ مِنۡ سَیِّئَاتِکُمۡ وَاللهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ> (سورئہ بقرہ آیت/۲۷۱)

اگر تم صدقہ کو کھلے عام دوگے تو یہ بھی ٹھیک ہے۔اور اگر چھپا کر فقراء کے حوالے کردوگے تو یہ بھی بہت بہتر ہے لہٰذا اس کے ذریعہ تمہارے بہت سے گناہ معاف ہو جائیں گے اور خدا تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔

وضاحت

بے شک راہ خدا میں انفاق کرنا چاہئے علانیہ ہو یا چھپا کر ہر ایک کا مفید اور نفع بخش اثر اور فائدہ ہوتا ہے۔اس لئے کہ جب انسان کھلے عام اپنے مال کو راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور اگر یہ انفاق واجب ہو تو لوگوں کو اس طرح کے نیک کام کے شوق کے علاوہ انفاق کرنے والے سے اس تہمت کو دور کرتا ہے کہ اپنے واجب وظیفہ پر عمل نہیں کیا۔

اور اگر مستحب ہو تو در حقیقت یہ ایک طرح کی عملی تبلیغ ہے کہ لوگوں کو عمل صالح ،محرومین اور فقراء کی حمایت اور مدد اور عوامی منفعت کے کاموں کو انجام دینے کا شوق پیدا کرتا ہے۔

اور اگر خفیہ طور سے اور لوگوں کی نظروں سے دور ہو کر انفاق کیا جائے تو اس میں ریا کاری کا امکان کم ہو جاتا ہے بلکہ مزید خلوص کے ساتھ انجام پاتا ہے خاص طور سے فقراء کی مدد کرنے

میں ان کی عزت و آبرو کی حفاظت زیادہ بہتر طریقہ سے ہوتی ہے۔اس لئے آیت کہہ رہی ہے:" دونوں طریقۂ انفاق بہتر ہےں لیکن خفیہ انفاق زیادہ بہتر ہے۔"

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ حکم مستحبی انفاق کے بارے میں ہے اور واجبی انفاق جیسے زکوٰۃ وغیرہ میں بہتر یہ ہے کہ ہمیشہ علانیہ ہونا چاہئے لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ دونوں حکم (انفاق کو ظاہر کرنا یا مخفی کرنا) میں کوئی ایک بھی حکم عمومی نہیں ہے بلکہ مواقع کے مختلف ہونے کے اعتبار سے ہیں لہٰذا جب تشویق کا اثر زیادہ ہو اور خلوص کے لئے نقصان دہ نہ ہو تو بہتر ہے کہ علانیہ انفاق کیا جائے اور جب آبرومند اور باعزت افراد ہوں اور ان کی عزت و آبرو کی حفاظت کا سبب بنے کہ خفیہ اور پوشیدہ طور سے انفاق کیا جائے اور ریاکاری یا خلوص کے ختم ہوجانے کا ڈر ہو تو ایسی صورت میں خفیہ طور سے انفاق کرنا بہتر ہے۔

بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ واجبی انفاق کو علانیہ اور مستحبی انفاق کو پوشیدہ طور پر ہونا چاہئے۔ حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ واجب کو کھلے عام اپنے مال سے نکالو اور کھلے عام انفاق کرو لیکن مستحبی انفاق کو اگر پوشیدہ طور سے خرچ کرو تو زیادہ بہتر ہے۔

اس طرح کی دیگر احادیث گذشتہ باتوں کے خلاف نہیں ہیں اس لئے کہ واجب ذمہ داریوں کی انجام دہی میں دکھاوے کی گنجائش کم ہوتی ہے اس لئے کہ واجب ہے اور ہر شخص کو انجام دینا واجب ہے اور ایک لازمی مالیات اور ٹیکس کے مانند ہے جسے ہر فرد کو ادا کرنا ضروری ہے لہٰذا اس کو کھلے عام انجام دینا بہتر ہے۔لیکن مستحبی انفاق جس میں وجوب کا پہلو

نہیں ہوتا لیکن ایسا ہوسکتا ہے کہ اس کو علانیہ اور ظاہر کرنا خلوص نیت کے لئے مضر اور نقصان دہ ہو لہٰذا اس کو پوشیدہ طور سے انجام دینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

"وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ"

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ خدا میں انفاق کا گناہوں کی بخشش میں بہت گہرا اثر ہے اس لئے کہ حکم انفاق کے بعد اسی جملہ میں فرمایا ہے: اور پروردگار تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا۔

البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ چھوٹے سے انفاق کے اثر میں سارے گناہ معاف کردیئے جائیں گے بلکہ کلمہ "من" جو عام طور سے تبعیض یعنی (بعض) کے لئے استعمال ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاق گناہوں میں سے بعض گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنتا ہے اور وہ بھی انفاق کی مقدار اور میزان خلوص سے مربوط ہے۔

انفاق گناہوں کی بخشش کا سبب ہے اس سلسلہ میں شیعہ وسنی دونوں کتابوں میں بہت سی روایات وارد ہوئی ہیں۔انہیں میں سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ: پوشیدہ طور پر انفاق کرنا غضب الٰہی کو ختم کردیتا ہے اور جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے گناہوں کو ختم کردیتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ: سات لوگ ایسے ہیں جنہیں اللہ اس دن اپنی رحمت کے سایہ میں لئے ہوگا جس دن اس کے سایۂ رحمت کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا:

۱۔حاکم عادل،

۲۔وہ جوان جو عبادت اور بندگی ٔخدا میں پروان چڑھے،

۳۔جس کا دل مسجد سے وابستہ ہو،

۴۔ وہ لوگ جو دوسروں کو اللہ کے لئے دوست رکھتے ہیں اور محبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور عشق و محبت کے ساتھ جدا ہوتے ہیں۔

۵۔ وہ شخص جسے ایک خوبصورت اور صاحب مقام ومنزلت عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ شخص خدا کے خوف سے گناہ پر آمادہ نہ ہو۔

٦۔ وہ شخص جو پوشیدہ طور سے انفاق کرے اس طرح سے کہ اگر داہنے ہاتھ سے انفاق کرے تو اس کا بایاں ہاتھ باخبر نہ ہو۔

۷۔ جو شخص تنہائی میں خدا کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے اشک جاری ہو جائیں۔

"وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ" اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی انفاق کیا جاتا ہے خدا اس سے باخبر ہے چاہے علانیہ ہو یا پوشیدہ طور پر۔اسی طرح وہ تمہاری نیتوں سے بھی باخبر ہے۔انفاق کو علانیہ یا پوشیدہ طور سے کس مقصد کے تحت انجام دے رہے ہو۔

بہر حال انفاق میں جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے مالپاک و پاکیزہ ہو اور عمل میں خلوص ہو دوسروں کے باخبر ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں ہے بلکہ علم خدا میں آنا اور اس کا آگاہ ہونا ہی سب سے اہم چیز ہے اسلئے کہ وہ علیم ہے اور وہی ہر عمل کی جزا دینے والا ہے اور ہر ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔

تیسری فصل: کس پر اور کس طرح انفاق کریں؟

۱۷۔ کیسے اور کس پر انفاق کریں؟

<وَءَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا> (سورہ اسراء: آیت۲۶)

اور دیکھو قرابتداروں، مسکین اور غربت زدہ مسافر کو اس کا حق دے دو اور خبردار اسراف سے کام نہ لینا۔

<إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا> (سورہ اسراء: آیت۲۷)

اسراف کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بہت بڑا انکار کرنے والا ہے۔

<وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا> (سورہ اسراء: آیت۲۹)

اور خبردار نہ اپنے ہاتھوں کو گردنوں سے بندھا ہوا قرار دو اور نہ بالکل پھیلا دو کہ آخر میں قابل ملامت اور خالی ہاتھ بیٹھے رہ جاؤ۔

وضاحت

انفاق میں میانہ روی کی رعایت کرنا

ان آیات میں راہ خدا میں انفاق کرنے اور قرابتداروں، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے حق کی ادائیگی کے بارے میں اسلامی احکام کو بیان کیا گیا ہے اور انفاق کرنے میں ہر طرح کے اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے اور خداوند عالم ان احکام کو چند مرحلے میں بیان فرمایا ہے: پہلے مرحلے میں ارشاد فرماتا ہے: "قرابتداروں اور رشتہ داروں کا حق انہیں دے دو:

وَءَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّه

اور مساکین اور غربت زدہ مسافرین کا حق بھی ان کے حوالے کر دو:

وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

اور خبردار اسراف سے کام نہ لو:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْراً

کلمہ تبذیر مصدر بذر سے بیج اور چھڑکنے کے معنی میں ہے لیکن یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان اپنے اموال کو غیر منطقی اور نا مناسب طریقہ سے خرچ کرے۔ فارسی میں مترادف "ریخت و پاش" (چھڑکنا اور پھیلانا) ہے۔

دوسرے لفظوں میں، تبذیر یہ ہے کہ مال کو نا درست مقام پر خرچ کیا جائے اگر چہ کم ہی کیوں

نہ ہو، اور اگر اسے اس کے صحیح مقام پر خرچ کیا جائے تو تبذیر نہیں ہے اور اگر یہی حد سے بڑھ جائے تو اسے اسراف کہتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیہ کریمہ کے ذیل میں ایک سوال کرنے والے کے جواب میں فرمایا:

مَنۡ اَنۡفَقَ شَیۡئًاً فِیۡ غَیۡرِ طَاعَةِ اللهِ فَهُوَ مُبَذِّرٌوَ مَنۡ اَنۡفَقَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللهِ فَهُوَ مُقۡتَصِدٌ

غیر اطاعت پروردگار میں اپنے مال کو خرچ کرنے والا مبذر (اسراف کرنے والا ہے) اور راہ خدا میں خرچ کرنے والا مقتصد اور میانہ رو ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت سے منقول ہے کہ ایک دن آپ نے حاضرین کی مہمان نوازی کے لئے کھجور لانے کا حکم دیا۔ بعض لوگوں نے کھجور کھا کر اس دانہ کو دور پھینک دیا تو آپ نے فرمایا: "یہ کام نہ کرو اس لئے کہ یہ تبذیر اور اسراف ہے اور خدا ضائع کرنے کو دوست نہیں رکھتا۔"

مسئلہ اسراف اور تبذیر کو واضح کرنے کے لئے اس حد تک کوشش کی گئی ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ: رسول خدا ایک راستہ سے گذر رہے تھے۔ آپ کے صحابی، سعد وضو کرنے میں مصروف تھے اور وہ بہت زیادہ پانی بہا رہے تھے آپ نے یہ دیکھ کر سعد سے فرمایا: اے سعد! کیوں اسراف کر رہے ہو؟! سعد نے عرض کیا: کیا وضو کرنے میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "نَعَمۡ اِنۡ کُنۡتَ عَلیٰ نَهۡرٍ جَارٍ" (بے شک اگر چہ تم بہتی ہوئی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو اور اس سے وضو کرو۔)

آیہ کریمہ میں

"ذِي الْقُرْبىٰ"

سے مراد سارے قرابتدار ہیں یا صرف رسولخدا کے قرابتدار مراد ہیں؟ (اس لئے کہ آیت میں خطاب آنحضرت سے ہے) اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

متعدد روایات میں آیا ہے کہ ذی القربیٰ سے مراد رسول خدا کے قرابتدار ہیں یہاں تک بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ یہ آیت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو باغ فدک بخشنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

لیکن جیسا کہ پہلے بھی کئی بار بیان کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی روایات آیت کے عمومی معنی کو محدود نہیں کرتی ہیں بلکہ یہ روایات آیت کے واضح مصداق کو بیان کرتی ہیں۔

لہٰذا جملہ "وآت" میں پیغمبر اسلام سے خطاب اس حکم کے آنحضرت سے مخصوص ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ وہ سارے احکام جو ان آیات میں وارد ہوئے ہیں جیسے تبذیر سے نہی، سائل اور مسکین کے ساتھ اچھا برتاؤ یا کنجوسی اور اسراف سے منع ان سارے احکام کے مخاطب آنحضرت ہیں جبکہ یہ احکام صرف پیغمبر سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ عام ہیں۔

ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ قرابتداروں، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے حق کی ادائیگی کے بعد تبذیر اور اسراف سے روکنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرابتداروں، مسکین اور غربت زدہ مسافر کے ساتھ انسانی عطوفت ادائیگی میں اتنی زیادتی نہ ہو جائے کہ ان کے استحقاق سے زیادہ ان پر انفاق کر کے اسراف اور فضول خرچی میں مبتلا ہو

جاؤاس لئے کہ اسراف ہر جگہ مذموم اور قابل ملامت ہے

بعد والی آیت سے منع کرنے کی دلیل کو بیان کر رہی ہے کہ: اسراف کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں:

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيَاطِيْنِ

بے شک اسراف کرنے والے، شیطان کے بھائی ہیں اس لئے کہ شیطان کا کام فساد و تباہی ہے اسراف کرنے والے بھی خدا کی نعمتوں کو تباہ و برباد اور اسے غلط طریقہ سے خرچ کر کے ضائع و برباد کرہیں۔

لہٰذا وہ لوگ جو اضافی کھانا پکا کے، پھینک دیتے ہیں اور وہ لوگ جو دکھاوے کی غرض سے پانچ مہمانوں کے لئے بیس آدمیوں کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں اور بقیہ کھانے کو ضائع کر دیتے ہیں اور وہ افراد جو دوسرے ملکوں میں زراعتی اور مہنگی چیزوں کی مہنگائی کو باقی رکھنے کے لئے کافی مقدار میں گیہوں اور مکھن کو دریا میں پھینک دیتے ہیں، سب کے سب شیطان کے بھائی ہیں بلکہ ان میں بہت سے خود شیطان ہیں۔

اس کے بعد والی آیت میں کنجوسی سے منع کیا گیا ہے اور اسراف پر بھی روک لگائی ہے۔ فرماتا ہے: اپنے ہاتھوں کو اپنی گردنوں سے بندھا ہوا قرار نہ دو،

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ

یہ لطیف و دقیق تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انفاق کرنے والا ہاتھ رکھو اور کنجوسوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے ہاتھوں کو اپنی گردنوں سے زنجیر کے ذریعہ باندھے ہوئے ہیں اور وہ دوسروں کی مدد اور ان پر انفاق نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف اپنے ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ کھول دو اور بے حساب و کتاب بخشش اور سخاوت کرنے لگو جو تمہیں کام اور کاروبار سے روک دے اور دوسروں کی ملامت اور مذمت اور لوگوں سے الگ تھلگ ہوجانے کا سبب بن جائے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا

جس طرح "ہاتھ کا گردن سے بندھا ہونا" کنجوسی کی طرف اشارہ ہے اسی طرح ہاتھوں کا مکمل طور سے کھلا ہونا بھی بے حساب انفاق اور بخشش کی طرف اشارہ ہے جیسا کی جملہ "لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ" سے معلوم ہوتا ہی ہے۔

اور کلمہ تقعد جو مصدر قعود سے بیٹھنے کے معنی میں ہے کام سے بے کام ہوجانے کی طرف اشارہ ہے۔

تعبیر ملوم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی کبھی بہت زیادہ انفاق اور بخشش نہ صرف یہ کہ انسان کو کام کاج اور زندگی کے ضروری کاموں سے روک دیتا ہے بلکہ ملامت کرنے والوں کی زبان کو بھی کھول دیتا ہے۔

محسور مصدر حسر سے برہنہ کرنے کے معنی میں ہے، اسی لئے حاسر اس سپاہی کو کہتے ہیں جس کے بدن پر زرہ اور سر پر ٹوپی (خود) نہ ہو۔

وہ جانور جو زیادہ چلنے کی وجہ سے تھک کر پیچھے رہ جائیں انہیں حسیر اور حاسر کہا جاتا ہے گویا ان کے بدن کے سارے گوشت یا ساری طاقت وقوت جواب دے دیتی ہے اور وہ برہنہ ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد آیت کے اس معنی میں وسعت پیدا ہوئی اور ہر تھکے اور منزل مقصود تک پہنچنے سے عاجز شخص کو محسور یا حاسر کہا جانے لگا۔

بہرحال جب بھی انفاق اور بخشش حد سے بڑھ جائے اور انسان کی ساری توانائی وقوت اسی میں خرچ ہونے لگے تو ظاہر سی بات ہے کہ انسان کام کاج اور زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے سے پیچھے رہ جائے گا اور نتیجہ میں لوگوں سے اس کا رابطہ بھی منقطع ہو جائے گا۔

اس آیت کے شان نزول میں اس بات کو واضح طور پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔اس روایت میں اس آیت کی شان نزول کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

ایک دن رسول خدا گھر میں تشریف فرما تھے،ایک سائل نے دق الباب کیا چونکہ اس وقت آنحضرت کے پاس اسے دینے کے لئے کوئی چیز نہ تھی لہٰذا اس نے آنحضرت سے ان کے پیراہن کا تقاضا کر لیا آپ نے اسے اپنا پیراہن عطا کر دیا اور اس دن نماز کے لئے مسجد میں حاضر نہ ہو سکے۔اس واقعہ نے کفار کی زبان کو ملامت کے لئے کھول دیا اور وہ کہنے لگے کہ محمد سوتے رہ گئے یا دوسرے کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے اپنی نماز کو بھول گئے۔

اس طرح یہ کام دشمن کی ملامت اور دوستوں سے دوری کا سبب ہوا اور "ملوم ومحسور" کا مصداق بھی قرار پایا اسی وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور رسول خدا کو ایسے کام کی تکرار سے منع کیا۔

اس آیت کا ظاہری حکم ایثار کے خلاف نہیں ہے جس کے بارے میں ہم آئندہ بحث کریں گے۔

بعض افراد نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کبھی کبھی رسولخدا بیت المال کے سارے اموال فقراء

میں اس طرح تقسیم کر دیتے تھے کہ اگر بعد میں کوئی ضرورت مند آجائے تو اسے دینے کے لئے کچھ نہیں بچتا تھا اور اس کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔ اور بسا اوقات آنے والا ضرورت مند شخص آپ کی مذمت اور ملامت کرنے لگتا تھا۔ جس سے آنحضرت کو تکلیف ہوتی تھی لہٰذا حکم نازل ہوا کہ نہ ہی بیت المال کے پورے مال کا انفاق کر دیا جائے اور نہ ہی پورے مال کو بچائے رکھا جائے تا کہ آئندہ اس طرح کی مشکلات پیش نہ آئیں۔

وضاحت

ان آیات میں راہ خدا میں انفاق کرنے اور قرابتداروں، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے حق کی ادائیگی کے بارے میں اسلامی احکام کو بیان کیا گیا ہے اور انفاق کرنے میں ہر طرح کے اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے اور خداوند عالم ان احکام کو چند مرحلے میں بیان فرمایا ہے: پہلے مرحلے میں ارشاد فرماتا ہے: "قرابتداروں اور رشتہ داروں کا حق انہیں دے دو: وَءَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ

اور مساکین اور غربت زدہ مسافرین کا حق بھی ان کے حوالے کر دو:

وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ

اور خبردار اسراف سے کام نہ لو:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا

کلمہ تبذیر مصدر بذر سے بیج اور چھڑکنے کے معنی میں ہے لیکن یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے

جب انسان اپنے اموال کو غیر منطقی اور نا مناسب طریقہ سے خرچ کرے۔ فارسی میں مترادف "ریخت و پاش" (چھڑکنا اور پھیلانا) ہے۔

دوسرے لفظوں میں، تبذیر یہ ہے کہ مال کو نا درست مقام پر خرچ کیا جائے اگر چہ کم ہی کیوں نہ ہو، اور اگر اسے اس کے صحیح مقام پر خرچ کیا جائے تو تبذیر نہیں ہے اور اگر یہی حد سے بڑھ جائے تو اسے اسراف کہتے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ آپ نے اس آیہ کریمہ کے ذیل میں ایک سوال کرنے والے کے جواب میں فرمایا:

مَنْ اَنْفَقَ شَيْئاً فِيْ غَيْرِ طَاعَةِ اللهِ فَهُوَ مُبَذِّرٌ وَ مَنْ اَنْفَقَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَهُوَ مُقْتَصِدٌ

غیر اطاعت پروردگار میں اپنے مال کو خرچ کرنے والا مبذر (اسراف کرنے والا ہے) اور راہ خدا میں خرچ کرنے والا مقتصد اور میانہ رو ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضرت سے منقول ہے کہ ایک دن آپ نے حاضرین کی مہمان نوازی کے لئے کھجور لانے کا حکم دیا۔ بعض لوگوں نے کھجور کھا کر اس دانہ کو دور پھینک دیا تو آپ نے فرمایا: "یہ کام نہ کرو اس لئے کہ یہ تبذیر اور اسراف ہے اور خدا ضائع کرنے کو دوست نہیں رکھتا۔"

مسئلہ اسراف اور تبذیر کو واضح کرنے کے لئے اس حد تک کوشش کی گئی ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ: رسول خدا ایک راستہ سے گذر رہے تھے۔ آپ کے صحابی، سعد وضو کرنے میں مصروف تھے اور وہ بہت زیادہ پانی بہا رہے تھے آپ نے یہ دیکھ کر سعد سے فرمایا: اے

سعد! کیوں اسراف کرر ہے ہو؟! سعد نے عرض کیا: کیا وضو کرنے میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

"نَعَمْ اِنْ کُنْتَ عَلٰی نَهْرٍ جَارٍ"

(بے شک اگر چہ تم بہتی ہوئی نہر کے کنارے ہی کیوں نہ ہو اور اس سے وضو کرو۔)

آیہ کریمہ میں "ذِی الْقُرْبٰی" سے مراد سارے قرابتدار ہیں یا صرف رسولخدا کے قرابتدار مراد ہیں؟ (اس لئے کہ آیت میں خطاب آنحضرت سے ہے)اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

متعدد روایات میں آیا ہے کہ ذی القربیٰ سے مراد رسول خدا کے قرابتدار ہیں یہاں تک بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ یہ آیت جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو باغ فدک بخشنے کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے۔

لیکن جیسا کہ پہلے بھی کئی بار بیان کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کی روایات آیت کے عمومی معنی کو محدود نہیں کرتی ہیں بلکہ یہ روایات آیت کے واضح مصداق کو بیان کرتی ہیں۔

لہٰذا جملہ "و آت" میں پیغمبر اسلام سے خطاب اس حکم کے آنحضرت سے مخصوص ہونے کی دلیل نہیں ہے اس لئے کہ وہ سارے احکام جو ان آیات میں وارد ہوئے ہیں جیسے تبذیر سے نہی، سائل اور مسکین کے ساتھ اچھا برتاؤ یا کنجوسی اور اسراف سے منع ان سارے احکام کے مخاطب آنحضرت ہیں جبکہ یہ احکام صرف پیغمبر سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ عام ہیں۔

ایک قابل توجہ بات یہ بھی ہے کہ قرابتداروں، مساکین اور غربت زدہ مسافروں کے حق کی

ادائیگی کے بعد تبذیر اور اسراف سے روکنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرابتداروں، مسکین اور غربت زدہ مسافر کے ساتھ انسانی عطوفت ادائیگی میں اتنی زیادتی نہ ہو جائے کہ ان کے استحقاق سے زیادہ ان پر انفاق کر کے اسراف اور فضول خرچی میں مبتلا ہو جاؤ اس لئے کہ اسراف ہر جگہ مذموم اور قابل ملامت ہے

بعد والی آیت سے منع کرنے کی دلیل کو بیان کر رہی ہے کہ: اسراف کرنے والے شیاطین کے بھائی ہیں:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ

بے شک اسراف کرنے والے، شیطان کے بھائی ہیں اس لئے کہ شیطان کا کام فساد وتباہی ہے اسراف کرنے والے بھی خدا کی نعمتوں کو تباہ و برباد اور اسے غلط طریقہ سے خرچ کر کے ضائع وبرباد کر رہیں۔

لٰہذا وہ لوگ جو اضافی کھانا پکا کے، پھینک دیتے ہیں اور وہ لوگ جو دکھاوے کی غرض سے پانچ مہمانوں کے لئے بیس آدمیوں کے کھانے کا انتظام کرتے ہیں اور بقیہ کھانے کو ضائع کر دیتے ہیں اور وہ افراد جو دوسرے ملکوں میں زراعتی اور مہنگی چیزوں کی مہنگائی کو باقی رکھنے کے لئے کافی مقدار میں گیہوں اور مکھن کو دریا میں پھینک دیتے ہیں، سب کے سب شیطان کے بھائی ہیں بلکہ ان میں بہت سے خود شیطان ہیں۔

اس کے بعد والی آیت میں کنجوسی سے منع کیا گیا ہے اور اسراف پر بھی روک لگائی ہے۔ فرماتا ہے: اپنے ہاتھوں کو اپنی گردنوں سے بندھا ہوا قرار نہ دو، وَلَاتَجْعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ

یہ لطیف و دقیق تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انفاق کرنے والا ہاتھ رکھو اور کنجوسوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے ہاتھوں کو اپنی گردنوں سے زنجیر کے ذریعہ باندھے ہوئے ہیں اور وہ دوسروں کی مدد اور ان پر انفاق نہیں کر سکتے۔

دوسری طرف اپنے ہاتھوں کو بہت زیادہ نہ کھول دو اور بے حساب و کتاب بخشش اور سخاوت کرنے لگو جو تمہیں کام اور کاروبار سے روک دے اور دوسروں کی ملامت اور مذمت اور لوگوں سے الگ تھلگ ہو جانے کا سبب بن جائے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوماً مَّحْسُوراً

جس طرح "ہاتھ کا گردن سے بندھا ہونا" کنجوسی کی طرف اشارہ ہے اسی طرح ہاتھوں کا مکمل طور سے کھلا ہونا بھی بے حساب انفاق اور بخشش کی طرف اشارہ ہے جیسا کی جملہ

لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ"

سے معلوم ہوتا ہی ہے۔

اور کلمہ تقعد جو مصدر قعود سے بیٹھنے کے معنی میں ہے کام سے بے کام ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔

تعبیر ملوم اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کبھی کبھی بہت زیادہ انفاق اور بخشش نہ صرف یہ کہ انسان کو کام کاج اور زندگی کے ضروری کاموں سے روک دیتا ہے بلکہ ملامت کرنے والوں کی زبان کو بھی کھول دیتا ہے۔

محسور مصدر حسر سے برہنہ کرنے کے معنی میں ہے، اسی لئے حاسر اس سپاہی کو کہتے ہیں جس کے بدن پر زرہ اور سر پر ٹوپی (خود) نہ ہو۔

وہ جانور جو زیادہ چلنے کی وجہ سے تھک کر پیچھے رہ جائیں انہیں حسیر اور حاسر کہا جاتا ہے گویا ان کے بدن کے سارے گوشت یا ساری طاقت وقوت جواب دے دیتی ہے اور وہ برہنہ ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد آیت کے اس معنی میں وسعت پیدا ہوئی اور ہر تھکے اور منزل مقصود تک پہنچنے سے عاجز شخص کو محسور یا حاسر کہا جانے لگا۔

بہر حال جب بھی انفاق اور بخشش حد سے بڑھ جائے اور انسان کی ساری توانائی وقوت اسی میں خرچ ہونے لگے تو ظاہر سی بات ہے کہ انسان کام کاج اور زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے سے پیچھے رہ جائے گا اور نتیجہ میں لوگوں سے اس کا رابطہ بھی منقطع ہو جائے گا۔

اس آیت کے شان نزول میں اس بات کو واضح طور پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔اس روایت میں اس آیت کی شان نزول کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

ایک دن رسول خدا گھر میں تشریف فرما تھے، ایک سائل نے دق الباب کیا چونکہ اس وقت آنحضرت کے پاس اسے دینے کے لئے کوئی چیز نہ تھی لہٰذا اس نے آنحضرت سے ان کے پیراہن کا تقاضا کر لیا آپ نے اسے اپنا پیراہن عطا کر دیا اور اس دن نماز کے لئے مسجد میں حاضر نہ ہو سکے۔اس واقعہ نے کفار کی زبان کو ملامت کے لئے کھول دیا اور وہ کہنے لگے کہ محمد سوتے رہ گئے یا دوسرے کاموں میں مصروف ہونے کی وجہ سے اپنی نماز کو بھول گئے۔

اس طرح یہ کام دشمن کی ملامت اور دوستوں سے دوری کا سبب ہوا اور "ملوم ومحسور" کا مصداق بھی قرار پایا اسی وقت مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور رسول خدا کو ایسے کام کی تکرار سے منع کیا۔

اس آیت کا ظاہری حکم ایثار کے خلاف نہیں ہے جس کے بارے میں ہم آئندہ بحث کریں گے۔

بعض افراد نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ کبھی کبھی رسولخدا بیت المال کے سارے اموال فقراء میں اس طرح تقسیم کر دیتے تھے کہ اگر بعد میں کوئی ضرورت مند آجائے تو اسے دینے کے لئے کچھ نہیں بچتا تھا اوراس کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا تھا۔اور بسا اوقات آنے والا ضرورت مند شخص آپ کی مذمت اور ملامت کرنے لگتا تھا۔جس سے آنحضرت کو تکلیف ہوتی تھی لہٰذا حکم نازل ہوا کہ نہ ہی بیت المال کے پورے مال کا انفاق کر دیا جائے اور نہ ہی پورے مال کو بچائے رکھا جائے تا کہ آئندہ اس طرح کی مشکلات پیش نہ آئیں۔

ایک سوال کا جواب

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محروم فقیر اور مسکین افراد ہی کیوں ہوں کہ ہم کو انفاق کرنا پڑے کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ خداوند عالم انہیں ان کی ضرورت کی تمام چیزیں عطا کر دیتا تا کہ ہم ان اوپر انفاق کرنے کے محتاج نہ ہوتے ؟

جواب-

آیت کا آخری حصہ گویا اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے پروردگار عالم فرماتا ہے۔:

ان ربک یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر انہ کان بعبادہ خبیراً بصیراًX

دراصل یہ تمہارے لئے ایک امتحان ہے ورنہ پروردگار کے لئے ہر چیز ممکن ہے وہ اس طرح سے تمہاری تربیت کرنا چاہتا ہے اور تمہارے اندر سخاوت، فدا کاری اور ایثار کے جذبہ کو پروان چڑھانا چاہتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر بعض لوگ بالکل بے نیاز ہو جائیں تو وہ سرکشی پر اتر آئیں گے لہٰذا ان کی مصلحت اسی میں ہے کہ انہیں ایک معین مقدار میں روزی دی جائے جو نہ ہی ان کے فقر اور تنگدستی کا سبب ہو اور نہ ہی طغیان اور سرکشی کا باعث ہو۔

ان سب باتوں کے علاوہ انسانوں (کچھ موارد کے علاوہ یعنی بے کار اور معمولی افراد کے علاوہ) کی روزی میں وسعت اور تنگی کا تعلق خود ان کی سعی و کوشش سے ہے اور یہ کہ خداوند عالم فرما رہا ہے کہ: وہ جس کی روزی کو چاہتا ہے تنگ یا کشادہ کر دیتا ہے۔ یہ مشیت پروردگار بھی اس کی حکمت کے مطابق ہے اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ جو بھی زیادہ کوشش کرے گا اس کا حصہ زیادہ اور جس کی سعی و کوشش کم ہوگی وہ اتنا ہی محروم ہوگا۔

بعض مفسرین نے اس آیت اور اس سے پہلے کی آیات کے درمیان رابطہ کے سلسلہ میں اس احتمال کو قبول کیا ہے کہ اس آخری فقرہ میں انفاق میں افراط و تفریط سے منع کرنے کی دلیل کو بیان کیا گیا ہے۔ گویا یہ آیت یہ پیغام دینا چاہتی ہے کہ پروردگار بھی اپنی ساری قدرت کے باوجود روزی عطا کرنے میں درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے اور حد وسط کی رعایت کرتا ہے نہ ہی اتنا زیادہ عطا کرتا ہے کہ فساد اور تباہی کا سبب بن جائے اور نہ ہی روزی میں اتنی تنگی کرتا ہے کہ انسان زحمت میں پڑ جائے یہ تمام چیزیں بندوں کے حالات کی رعایت اور ان کی بھلائی

کے پیش نظر ہیں۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ تم بھی اخلاق الٰہی کو اپناؤ، اعتدال اور درمیانی راستہ اختیار کرو اور افراط وتفریط سے پرہیز کرو۔

چند نکتے

یہاں پر محترم قارئین کو چند اہم نکات کی طرف متوجہ کرتے ہیں:

الف) فضول خرچی کی بلا

بے شک روئے زمین پر موجود پروردگار کی نعمتیں، زمین پر بسنے والوں کے لئے کافی ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ انھیں بلا وجہ ضائع اور اسراف نہ کیا جائے بلکہ صحیح اور معقول طریقہ سے ان سے استفادہ کیا جائے اس لئے کہ یہ نعمتیں اتنی زیادہ اور لامحدود بھی نہیں ہیں کہ غلط استعمال اور اسراف سے متأثر ہوکر ختم نہ ہوجائیں۔

بے شک زمین کے ایک حصہ پر اسراف وتبذیر، دوسرے حصے والوں کی محرومی کا سبب ہے یا آج کے انسانوں کا اسراف کرنا آئندہ نسلوں کی محرومی کا باعث ہے یہ بات اس دور میں بھی بہت واضح ہے اور ہر شخص اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اس زمانہ میں جب اخراجات آج کی طرح نہ تھے، اسلام نے انسانوں کو خبردار کیا کہ زمین پر موجود خدا کی نعمتوں کے استعمال میں اسراف وتبذیر سے کام نہ لیں۔ اور قرآن کریم نے متعدد آیات میں اسراف کرنے والوں کی سختی سے

مذمت اور ملامت کی ہے اور انھیں اس ناپسندیدہ عمل سے منع کیا ہے۔

ایک جگہ فرماتا ہے: اسراف نہ کرو کہ خداوند اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا:

<وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ> (۱)

دوسرے مقام پر اسراف اور زیادتی کرنے والوں کو جہنمی قرار دیتے ہوئے فرمایا:

<انَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحَابُ النَّارِ> (۲)

ایک مقام پر ایسے افراد کی اطاعت اور پیروی کرنے سے لوگوں کو منع فرمایا:

<وَلَا تُطِيْعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ> (۳)

عذاب الٰہی ان کے انتظار میں ہے:

<مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ> (۴)

اور اسراف اور زیادہ روی ایک فرعونی عمل ہے:

<وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ> (۵)

ایسے افراد ہدایت الٰہی سے محروم ہوتے ہیں:

<اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ> (٦)

آخرکار اسراف اور زیادتی کرنے والوں کا انجام ہلاکت اور نابودی ہے:

<وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ> (۷)

جیسا کہ پہلے بھی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ان آیات میں بھی اسراف اور زیادتی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی اور ساتھی قرار دیا گیا ہے۔

اسراف کیا ہے؟

اسراف ایک عام معنی میں ہے۔اسراف ہراس کام کو کہتے ہیں جسے انجام دینے میں انسان حد سے تجاوز کر جائے عام طور سے یہ کلمہ مالی اخراجات کے سلسلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

آیات قرآنی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسراف سختی کے مقابلے میں ہے جیسا کہ پروردگار عالم نے فرمایا ہے:

"وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذَالِكَ قِوَاماً"

اوروہ لوگ جوانفاق کرتے وقت نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ سختی سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔(سورۂ فرقان/آیت/ ٦٧)

---

(١)سورۂ انعام: آیت ١٤١۔سورۂ اعراف: آیت ٣١

(٢)سورۂ غافر: آیت ٤٣

(٣)سورہ ٔشعراء: آیت ١٥١

(٤)سورۂ ذاریات: آیت ٣٤

(٥)سورۂ یونس: آیت ٨٣

(٦)سورۂ غافر: آیت ٢٨

(٧)سورۂ انبیاء: آیت ٩

ب) اسراف وتبذیر کے درمیان فرق

اسراف وتبذیر کے درمیان کیا فرق ہے؟ اس سلسلہ میں مفسرین نے کوئی خاص بحث نہیں کی ہے لیکن ان دونوں کلمہ کے مصدر کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ دونوں کلمہ ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہوں تو اسراف کسی چیز کو ضائع کئے بغیر حد اعتدال سے خارج ہو جانے کے معنی میں ہے مثلاً ہم ایسا گراں قیمت لباس جس کی قیمت ہماری ضرورت کے لباس سے دس گنا زیادہ ہو یا اپنے کھانے کو اتنے زیادہ پیسے سے تیار کریں کہ اتنے پیسے میں کئی لوگوں کو کھانا کھلا سکتے ہوں۔ یہاں پر ہم نے حد سے تجاوز کیا ہے۔ لیکن ظاہراً کوئی چیز ضائع اور برباد نہیں ہوئی ہے۔

لیکن "تبذیر" یہ ہے کہ کسی چیز کو اس طرح استعمال یا خرچ کیا جائے کہ وہ ضائع اور برباد ہو جائے۔ مثلاً دو مہمانوں کے لئے دس آدمیوں کا کھانا پکایا جائے اور بچے ہوئے کھانے کو کوڑے دان میں ڈال کر برباد کر دیا جائے جیسا کہ بعض ثروت مند افراد ایسا ہی کرتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی یہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور تاکید کے لئے ایک ساتھ لائے جاتے ہیں۔

حضرت علی۔ ارشاد فرماتے ہیں

اَلَاوَاِنَّ اِعطاء المال فی غیر حقّه تبذیر واسراف وهو یر فع صاحبه فی الدّنیا ویضعه فی الآخرة ویکرمه فی النّاس ویهینه عندالله

آگاہ ہو جاؤ کہ غیر مورد استحقاق میں مال کو خرچ کرنا اسراف وتبذیر ہے ممکن ہے یہ عمل دنیا میں انسان کے مرتبہ کو بلند کر دے لیکن یقینا آخرت میں اسے ذلیل کر دے گا اور ممکن ہے کہ لوگوں کی نظر میں احترام واکرام کا سبب بنے لیکن خداوند عالم کی بارگاہ میں اسے رسوا کر دے گا۔(نہج البلاغہ علامہ)

مذکورہ آیت کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے کہ اسلامی احکام میں اسراف اور تبذیر سے ممانعت کے سلسلہ میں اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ وضو کے لئے زیادہ پانی بہانا اگر چہ جاری نہر کا پانی ہی کیوں نہ ہو منع کیا گیا ہے اورامام جعفر صادق نے کھجور کے ایک بیج کو پھینکنے سے منع فرمایا ہے۔

اس دور میں جب بعض دانشمندوں نے بعض چیزوں کی کمی کا احساس کیا تو ہر چیز کے استفادہ کی طرف خاص توجہ دی یہاں تک کہ کوڑے سے بہترین کھاد بناتے اور ردی چیزوں سے ضرورت کے سامان بناتے ہیں اور گندے پانی کو صاف کر کے اسے کھیتی میں استفادہ کے قابل بناتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے احساس کر لیا ہے کہ دنیا میں موجود مواد لامحدود نہیں ہے کہ جن سے آسانی سے صرف نظر کیا جا سکے۔پس ضروری ہے کہ تمام چیزوں سے ہر اعتبار سے استفادہ کیا جائے کیا ایسے حالات میں بھی اسراف وتبذیر ہے؟

(ج) کیا انفاق، میانہ روی اور ایثار کے درمیان کوئی تضاد پایا جاتا ہے؟

انفاق میں میانہ روی کا حکم دے نے والی مذکورہ آیات کے پیش نظر یہ سوال پیش ہے کہ سورۂ

دہر، اور قرآن کی دوسری آیات اور روایات میں ایسے ایثار کرنے والوں کی مدح کی گئی ہے جو سخت حالات میں بھی اپنے اموال میں سے دوسروں پر انفاق کرتے تھے یہ دونوں حکم کس طرح آپس میں سازگار ہیں؟

مذکورہ بالا آیات کے شان نزول اور دوسرے قرینوں میں غور وفکر کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہوجاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

انفاق میں میانہ روی کا حکم وہاں پر ہے جہاں بہت زیادہ بخشش اور انفاق انسانی زندگی میں بہت زیادہ حیرانی و پریشانی کا سبب بن جائے اور انسان "ملوم ومحسور" ہوجائے یا ایثار کرنا گھر والوں کے لئے تکلیف دہ اور ان کے ساتھ سختی کا سبب بن جائے، نظام خانوادہ کے درہم برہم ہوجانے کا خوف لاحق ہوجائے اور اگر ایسے حالات پیش نہ آئیں تو ایسی صورت میں بے شک ایثار ایک بہت عمدہ اور پسندیدہ عمل ہے۔

اس کے علاوہ میانہ روی کی رعایت ایک عام اور کلی حکم ہے اور ایثار ایک خاص حکم ہے جو بعض معین مواقع پر جاری ہوتا ہے لہٰذا ان دونوں حکم کے درمیان کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ اس پر غور کریں۔

۱۸۔ انفاق کا بہترین مقام

﴿لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمَاهُمۡ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ

النَّاسَ اِلْحَافاً وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ >

یہ صدقہ ان فقراء کے لئے ہے جو راہ خدا میں گرفتار ہو گئے ہیں اور کسی طرح سفر کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ ناواقف افراد انہیں ان کی حیا اور عفت کی بنا پر مالدار سمجھتے ہیں حالانکہ تم آثار سے غربت کا اندازہ کر سکتے ہو اگرچہ یہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے ہیں اور تم لوگ جو کچھ بھی انفاق کرو گے خدا اسے خوب جانتا ہے۔ (سورۂ بقرہ: آیت ۲۷۳)

توضیح

اس آیہ کریمہ کے شان نزول کے بارے میں امام محمد باقر (ع) سے منقول ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

(اصحاب صفہ مکہ اور اطراف مدینہ کے تقریباً چار سو مسلمان تھے جن کے نہ ہی مدینہ میں گھر تھے اور نہ ہی کوئی رشتہ دار جس کے یہاں جا سکیں لہٰذا یہ افراد مسجد النبی میں مقیم تھے اور میدان جہاد میں جانے کے لئے اپنی تیاری کا اعلان کرتے تھے) لیکن چونکہ ان کا مسجد میں رہنا مسجد کی شان کے مطابق نہ تھا لہٰذا ان کو حکم دیا کہ مسجد کے کنارے صفہ (ایک بڑے اور وسیع چبوترے) پر منتقل ہو جائیں تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور دوسرے لوگوں کو حکم دیا کہ اپنے امکان بھر اپنے ان دینی بھائیوں کی مدد سے دریغ نہ کریں اور مسلمانوں نے ایسا ہی کیا (یعنی سبھی نے اپنی حیثیت کے مطابق ان کی مدد کی۔)

پروردگار عالم نے اس آیہ کریمہ میں اپنی راہ میں انفاق کے بہترین مواقع اور مقامات کو بیان کیا ہے اور وہ مندرجہ ذیل صفات کے حامل افراد ہیں:

(۱) اَلَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

یعنی وہ افراد جو اہم کاموں مثلاً دشمن سے جہاد کرنے اور علم دین حاصل کرنے کی وجہ سے اپنی زندگی کے اخراجات فراہم کرنے سے عاجز ہیں ، اصحاب صفہ کی طرح جو اس کے واضح مصداق تھے۔

(۲) لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِی الۡاَرۡض

یعنی وہ افراد جو سفر نہیں کر سکتے اور سامان زندگی فراہم کرنے کے لئے ایسے شہروں کی طرف بھی نہیں جا سکتے جہاں بہت زیادہ نعمتیں ہیں۔ لہٰذا جو لوگ اپنی زندگی کے اخراجات کو پورا کر سکتے ہیں انھیں چاہئے کہ سفر کی زحمت و مشقت برداشت کریں اور ہرگز دوسروں کے انفاق اور کمائی پر بھروسہ نہ کریں۔ مگر یہ کہ کوئی اہم کام ہو جیسے راہ خدا میں جہاد جو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے اور پروردگار کی خوشنودی بھی اسی میں ہے۔

(۳) یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّف جو

لوگ ان کے حالات سے باخبر نہیں ہیں وہ انہیں ان کی خودداری اور عزت نفس کی وجہ سے مالدار اور بے نیاز سمجھتے ہیں۔

(۴) تَعۡرِفُهُمۡ بِسِیۡمَاهُم

(آپ ان کو ان کے آثار سے پہچانتے ہیں) لغت میں سیما علامت اور نشانی کو کہتے ہیں ۔یعنی اگر چہ وہ لوگ اپنے حالات کو زبان پر نہیں لاتے لیکن ان کے چہروں پر ان کے اندرونی رنج و درد کی نشانیاں موجود ہیں جو عاقل اور سمجھ دار انسان کے لئے واضح اور آشکار ہیں۔ بے شک (رنگ رخسارہ خبر می دہد از سرّ درون) یعنی رخسار کی رنگت اندرونی راز کی خبر دیتی ہے۔

(۵) لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافاً

وہ لوگ عام فقیروں کی طرح اصرار کے ساتھ لوگوں سے کوئی چیز نہیں مانگتے۔ درحقیقت وہ کسی کے آگے دست سوال ہی نہیں پھیلاتے کہ اصرار کی نوبت آئے۔

اگر قرآن کریم یہ کہہ رہا ہے کہ وہ لوگ اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ اصرار کے بغیر مانگتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ عام فقیروں کی طرح نہیں ہیں کہ سوال کریں۔

لہٰذا اس جملہ اور جملہ

تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ

میں کوئی منافات نہیں ہے ایسے افراد کو ان کے آثار کے ذریعہ پہچانا جا سکتا ہے، مانگنے کے ذریعہ نہیں۔

اس آیہ کریمہ میں ایک احتمال یہ بھی پایا جاتا ہے کہ جب سخت حالات انہیں اپنا حال بیان کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں تب بھی وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور نہ ہے اصرار کرتے ہیں بلکہ اپنی حاجت کو بہت ہی محترمانہ شکل میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

(۶) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

یہ جملہ انفاق کرنے والوں کی تشویق کے لئے ہے۔ خاص طور سے ان لوگوں پر انفاق کرنے کے لئے جو عزت نفس اور نیک طینت کے مالک ہیں۔ اس لئے کہ جب انھیں یہ معلاوم ہو کہ وہ جو کچھ راہ خدا میں خرچ کر رہے ہیں چاہے خفیہ طور سے ہی کیوں نہ ہو خدا اس سے با خبر ہے

اور انہیں ان کے نیک اعمال کے ثواب سے نوازے گا تو ان میں اس عظیم خدمت کو انجام دینے پر مزید شوق پیدا ہو جائے گا۔

لیکن افسوس کہ ہر سماج میں اس طرح کے آبرو مند فقیر پائے جاتے ہیں جن کے اندرونی حالات اور رنج و درد سے اکثر لوگ بے خبر ہوتے ہیں۔لہٰذا باخبر مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ ایسے افراد کو تلاش کریں اور ان کی مدد کریں اور بہترین انفاق یہی انفاق ہے۔

اولویت، روایات اسلامی میں

(۱) رسول خدا نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ صَدَقَةً

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ ہر روز صدقہ دے۔

بعض اصحاب نے عرض کیا: یارسول اللہ! کون ہے جو اس کام کی قدرت رکھتا ہے؟

آپ نے فرمایا:

اِماطَتُكَ الاذیٰ عن الطریق صدقة:

لوگوں کے راستہ سے رکاوٹ کو برطرف کرنا بھی صدقہ ہے۔

وارشادك الرّجل الی الطّریق صدقة:

ایک اجنبی مسافر کو راستہ کی راہنمائی کرنا بھی صدقہ ہے۔

وعیادتک المریض صدقة: مریض کی عیادت،

وأمرك بالمعروف صدقة: امر بالمعروف،

ونهيك عن المنكر صدقة: نہی عن المنکر،

وردّك السّلام صدقة: اور سلام کا جواب

یہ سب کے سب صدقہ اورراہ خدا میں انفاق ہیں۔(۱)

(۲)ایک حدیث میں منقول ہے:

كان اَبو عبد الله عليه السلام اذا اعتمّ و ذهب من اللّيل شطره اخذ جرابًا فيه خبز و لحم والدّراهم فحمله على عنقه ثّم ذهب به الى اهل الحاجة من اهل المدينه فقسّمه فيهم ولا يعرفونه، فلّما مضى ابو عبد الله عليه السلام فقدوا ذٰلك فعلموا انّه كان ابا عبد الله عليه السلام (2)

امام جعفر صادق (ع) نماز عشاء سے فارغ ہونے اور رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد روٹی، گوشت اور درہموں سے بھرا ہوا ایک تھیلا اپنے کاندھے پر اٹھائے ہوئے مدینہ کے فقراء میں تقسیم فرماتے تھے۔اس طرح کہ وہ لوگ آپ کو پہچان نہ پاتے تھے جب امام (ع) کی شہادت ہوگئی اور مدینہ کے فقراء کی امداد بند ہوگئی تب انھیں کو معلوم ہوا کہ وہ مدد کرنے والے امام جعفر صادق (ع) تھے۔

(۳) نیز امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا:

ليس المسكين بالطّواف ولا بالّذى تردّه التّمرة والتّمرتان واللّقمة واللّقمتان ولكن المسكين المتعفّف الّذى لا يسائل النّاس ولا يفطن له فيتصدّق عليه (3)

مسکین وہ شخص نہیں ہے جو ادھر ادھر چکر لگائے یا ایک دو کھجوریں یا ایک دو لقمہ اسے قانع کر

دے بلکہ واقعی مسکین وہ ہے جو بہت زیادہ باعفت ہے، لوگوں سے کسی چیز کا مطالبہ نہ کرے اور کسی کو معلوم ہی نہ ہو کہ وہ فقیر ہے تا کہ اس کے اوپر انفاق کرے اور اس کی مدد کرے ایسے شخص کو تلاش کر کے اس پر انفاق کرنا چاہیے۔

---

(1) بحارالانوار، ج۷۵، ص۵۰

(2) اصول کافی ج ۴ /ص ۸

(3) کنزالعمال، ح/ ۱۶۵۵۲

چوتھی فصل: انفاق کی قبولیت کے موانع

۱۹. انفاق قبول ہونے کی شرط

<يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كالذى ينفق ماله رياء الناس و لا يو ٔمن بالله و اليوم الآخر فمثله كمثل صفوان عليه تراب فاصابه وابل فتركه صلداً لا يقدرون على شيء مما كسبوا والله لا يهدى القوم الكافرين#و مثل الذين ينفقون اموالهم ابتغاء مرضات الله و تثبيتاً من انفسهم كمثل جنة بربوة اصابها وابل فآتت اكلها ضعفين فان لم يصبها وابل فطل و الله بما تعملون بصير> (سورهٔ بقرہ:آیت ۲۶۴۔۲۶۵)

ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتانے اور اذیت کرنے سے برباد نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنے مال کو دکھاوے کے لئے صرف کرتا ہے اور اس کا ایمان نہ خدا پر ہے اور نہ آخرت پر اس کی مثال اس صاف چٹان کی ہے جس پر گرد جم گئی ہو مگر تیز بارش کے آتے ہی بالکل صاف ہو جائے یہ لوگ اپنی کمائی پر بھی اختیار نہیں رکھتے اور اللہ کافروں کی ہدایت بھی نہیں کرتا۔

اور جو لوگ اپنے اموال کو رضائے الٰہی کی طلب اور اپنے نفس کے استحکام کی غرض سے خرچ

کرتے ہیں ان کے مال کی مثال اس باغ کی ہے جو کسی بلندی پر ہو اور تیز بارش آ کر اس کی فصل کو دوگنا بنا دے اور اگر تیز بارش نہ آئے تو معمولی بارش ہی کافی ہو جائے اور اللہ تمہارے اعمال کی نیتوں سے خوب باخبر ہے۔

وضاحت

انفاق کے عوامل ونتائج مختلف ہوتے ہیں اور اس کی صورتیں بھی متعدد ہوتی ہیں۔

مذکورہ بالا دو آیتوں میں سب سے پہلے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مومنین کو راہ خدا میں کئے ہوئے انفاق کو احسان جتانے اور اذیت کرنے کے ذریعہ باطل اور بے اثر نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے بعد احسان جتانے ،اذیت اور دکھاوے کے لئے انفاق کرنے اور اخلاص و انسانی محبت کی بنا پر انجام پانے والے انفاق کی خوبصورت مثال بیان کی گئی ہے۔

سخت اور صاف پتھر کے ایک ٹکڑے کو نظر میں رکھیں جس پر مٹی کی ا یکباریک پرت ہو اور اس مٹی کی پرت پر چھڑک دیئے جائیں اور اس پر کھلی ہوا اور دھوپ پڑتی ہو اس کے بعد بارش کے بڑے بڑے قطرے برسیں تو بات یقینی ہے کہ بارش کے قطرے اس کے علاوہ کوئی اور کام نہ کریں گے کہ مٹی کی اس باریک پرت کو دانوں کے ساتھ بہا لے جائے گی اور سخت وصاف پتھر جس پر کسی طرح کی کوئی گھاس نہیں اگ سکتی وہ اپنے سخت اور صاف چہرے کو آشکار کر دے گا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ دھوپ، کھلی ہوا اور بارش کے قطروں نے اس پر کوئی برا اثر ڈالا ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ جگہ ان بیجوں کے لئے مناسب نہ تھی۔ یہ

پتھر ظاہری طور سے خوبصورت ہے لیکن اندر سے سخت اور کسی چیز کو قبول نہیں سکتا۔ صرف مٹی کی ہلکی سی پرت نے اسے چھپا رکھا تھا۔ حالانکہ سبزہ اگانے کے لئے ضروری ہے کہ زمین کے علاوہ، زمین کا اندرونی حصہ بھی جڑوں کو قبول کرنے اور اسے خوراک دینے کے لئے تیار ہو۔ قرآن کریم نے دکھاوے والے عمل اور احسان جتانے اور آزار واذیت سے ملے ہوئے انفاق کو مٹی کی اس ہلکی پرت سے تشبیہ دی ہے جو سخت پتھر کے ظاہر کو چھپائے ہوتی ہے۔ جس سے کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے بلکہ کسان کی زحمتوں کو بھی ضائع کر دیتا ہے۔

(یہ وہ مثال ہے جو پہلی آیت میں دکھاوے کے انفاق، احسان اور آزار واذیت کے ساتھ انفاق کے لئے بیان کی گئی ہے۔)

دوسری خوبصورت مثال

ایک سرسبز و شاداب باغ اور کھیت کو نظر میں رکھیں جو بلند اور زرخیز زمین کھلی فضا میں ہوں اور اس پر دھوپ پڑتی ہو اور اس پر بارش کے بڑے بڑے قطرے گریں اور اگر بارش نہ ہو تب بھی کم سے کم شبنم اور ہلکی ہلکی پھوار کے ذریعہ باغ کی لطافت و شادابی ویسے ہی باقی رہتی ہے۔

اس کے نتیجہ میں ایسے کھیت دوسرے کھیتوں کے مقابلہ میں دوگنا پھل دیتے ہےں اس لئے کہ اس کی زمین بھی زرخیز ہے اور ہلکی ہلکی پھوار بھی پھل کو تیار کرنے کے لئے کافی ہیں چہ جائیکہ موسلا دھار بارش اس کی وجہ یہ ہے کہ کھیت ایک بلندی پر واقع ہے اور وہ کھلی فضا اور

دھوپ سے اچھی طرح بہرہ مند ہوتا ہے۔اس کے علاوہ وہ دور سے دیکھنے والوں کی نگاہوں میں ایک خوبصورت منظر پیش کرتا ہےاور سیلاب کے خطرے سے بھی محفوظ ہوتا ہے۔

لہٰذا جو لوگ رضائے پروردگار اور روح میں ایمان کے راسخ ہو جانے کی غرض سے انفاق کرتے ہیں وہ اس کھیت کے مانند ہیں جو بابرکت، مفید اور قیمتی ثمر دے تے ہیں۔

یہاں پر چند نکات کی طرف توجہ ضروری ہے:

(۱) "لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰی" (اپنے انفاق کو احسان جتانے اور اذیت کے ذریعہ باطل نہ کرو) سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ برے اعمال، نیک اعمال کے اثر کو ختم کر دیتے ہیں اور اسی کو احباط کہا جاتا ہےجس کی وضاحت عقائد کی کتابوں میں آئی ہے

(۲) دکھاوے کے عمل کو ایک سخت وصاف پتھر کے ٹکڑے سے تشبیہ دینا جسے مٹی کی ایک ہلکی سی پرت نے چھپا رکھا ہوایک واضح تشبیہ ہے اس لئے کہ ریاکار انسان اپنے سخت باطن اور بے فائدہ وجود کو خیر خواہی اور احسان کے پردے میں پوشیدہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ایسے اعمال انجام دیتا ہےجن کی اس کے وجود میں کوئی ثابت جڑ نہیں ہوتی لیکن بہت جلد ہی اس کی زندگی کے نشیب وفراز اس کے اوپر پڑے ہوئے پردے کو ہٹا دیتے ہیں اور اس کے باطن کو سب کے سامنے ظاہر کر دیتے ہیں۔

(۳) جملہ "اِبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ وَ تَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ"

انفاق کے صحیح اور الٰہی مقاصد کو بیان کر رہا ہےاور وہ دو چیز ہے: رضائے پروردگار کی طلب

(۲) ایمان کو قوی اور مستحکم بنانا اور روحی سکون واطمینان حاصل کرنا۔

یہ جملہ بیان کرر ہا ہے کہ حقیقی انفاق کرنے والے وہ لوگ ہیں جو پروردگار کی خوشنودی اور اچھے اخلاق کو پروان چڑھانے اور ان صفات کو اپنے اندر مستحکم کرنے اور اسی طرح ان اضطراب اور تکلیفوں کو ختم کرنے کے لئے انفاق کرتے ہیں جو محروموں اور فقیروں کی نسبت احساس ذمہ داری کی وجہ سے ان کے وجدان میں پیدا ہوتی ہیں لہٰذا آیۂ کریمہ میں "مِن" "فی" کے معنی میں آیا ہے۔

(۴) جملہ "وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡر"

(تم جو کچھ بھی انجام دیتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے) ہر نیک کام انجام دینے والے کو ٹھوکا دے رہا ہے کہ تمہاری نیت میں یا طرز عمل میں ذرہ برابر بھی ریاکاری کا شائبہ تمہارے نیک عمل کے اجر وثواب کو برباد کرسکتا ہے اس لئے کہ خدا مکمل طور سے تمہارے اعمال کا نگراں اور دیکھنے والا ہے۔

۲۰. موانع قبول

<قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ يَّتۡبَعُهَا اَذًى وَّاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيۡمٌ>

(سورئہ بقرہ:آیت ۲۶۳)

(حاجت مندوں کے سامنے) نیک کلام اور مغفرت، اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل دکھانے کا سلسلہ بھی ہو۔ خدا سب سے بے نیاز اور بڑا بردبار ہے۔

وضاحت

گذشتہ آیات کی طرح یہ آیہ کریمہ بھی انفاق کرنے والوں کوخبردار کر رہی ہے کہ جو لوگ حاجت مندوں کے سامنے نیک کلامی کرتے ہیں اور ان کے اصرار، یہاں تک کہ ان سخت کلامی کے باوجود بھی انہیں معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کا یہ برتاؤ ان لوگوں کے انفاق سے بہتر ہے جو انفاق کے بعد صاحبان حاجت کو اذیت پہونچاتے ہیں۔

یہ آیہ کریمہ انسانوں کی سماجی حیثیت اور عزت وآبرو کے سلسلہ میں اسلامی اصول کو بیان کر رہی ہے اور جو اس انسانی سرمایہ کی حفاظت کے لئے کوشش کرتے ہیں اور حاجت مندوں کو نیک کلام اور اچھائی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں اور ان کے راز کو فاش نہیں کرتے ایسے لوگوں کے عمل کو خودخواہ اور کوتاہ نظر افراد کے انفاق سے برتر اور بالاتر قرار دیتی ہے جو ذرا سے انفاق کے بعد باعزت لوگوں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں اور ان کی شخصیت اور عزت وآبرو سے کھیلتے ہیں۔ درحقیقت ایسے افراد دوسروں کو نفع سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں اور اگر کسی کو کوئی چیز دیتے ہیں تو اس کے بدلے میں اس سے کئی چیزیں لے بھی لیتے ہیں۔

گذشتہ باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ "قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ" وسیع اور عام معنی میں ہے اور ہر نیک کلام، دلداری اور رہنمائی کو شامل ہے۔

مغفرت صاحبان حاجت کی سخت کلامی کو معاف کر دینے کے معنی میں ہے جن کا پیمانہ صبر سختیوں اور پریشانیوں کے پے در پے حملہ کی وجہ سے لبریز ہو جاتا ہے اور کبھی کبھی بغیر قصد و ارادہ کے ان کی زبان پر سخت کلمات جاری ہو جاتے ہےں۔

ایسے افراد اس طرح اس ظالم سماج سے انتقام لینا چاہتے ہیں جس نے ان کے حق کو ادا نہیں کیا ہے۔ لہٰذا سماج اور مالدار افراد ان کی محرومیت کو کم کرنے کے لئے کم سے کم جو کام انجام دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کی سخت کلامی کو برداشت کریں اور خوش دلی اور نرمی سے جواب دے کر ان کی زبانیں بند کر دیں۔

بے شک فقراء کی سخت کلامی کو برداشت کرنا اور ان کے برے برتاؤ کو معاف کر دینا ان کے غضب کو کم کر دے گا۔ یہاں پر اس اسلامی حکم کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور کبھی کبھی ایسے نیک برتاؤ کی اہمیت انفاق کرنے سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

بعض علماء نے اس آیہ کریمہ میں کلمہ مغفرت کو اس کے اصل معنی (یعنی پوشیدہ کرنا، چھپانا) میں لیا ہے اور اس کلمہ کو آبرومند فقراء اور حاجت مندوں کے اسرار کی پردہ پوشی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ البتہ اس تفسیر اور اوپر بیان کی گئی تفسیر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ اگر مغفرت کی ایک عمومی معنی میں تفسیر کی جائے تو عفو و بخشش کو بھی شامل ہو جائے گا اور فقراء اور حاجت مندوں کے اسرار کو پوشیدہ رکھنے کو بھی۔

تفسیر نور الثقلین میں رسول خدا سے منقول ہے کہ نے آپ نے ارشاد فرمایا:

اذا سئل السائل فلا تقطعوا علیه مسا ئلته حتّی یفرغ منها ثُمَّ ردّوا علیه بوقارٍ و لینٍ اما ببذل یسیرا ٴورَدّ جمیل فاِنّه قد یاٴتکم من لّیس باٴنس ولا جان ینظر و نکم صنیعکم فیماخوّلکم الله تعالیٰ

اس حدیث نبوی میں آداب انفاق کے ایک گوشہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ آنحضرت نے ارشاد فرمایا: جب کوئی حاجت مند تم سے کسی چیز کا سوال کرے تو اس کے کلام کو قطع نہ کرو

یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری طرح بیان کر دے۔اس کے بعد ادب اور نرمی سے اس کا جواب دو یا اپنی قدرت بھر کوئی چیز اسے عطا کر دو یا شائستہ طریقہ سے اسے واپس کر دو اس لئے کہ ممکن ہے کہ سوال کرنے والا فرشتہ ہو جو تمہارا امتحان لینے کے لئے بھیجا گیا ہے تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں کس طرح عمل کرتے ہو۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ

چھوٹے چھوٹے جملے جو آیات کے آخر میں آئے ہیں اور خدا کی کچھ صفتوں کو بیان کرتے ہیں ان کے مضمون انھیں آیات سے مربوط ہوتے ہیں۔اس نکتہ کے پیش نظر جملہ

"وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ"

سے مراد یہ ہے کہ چونکہ انسانی طبیعت سرکش اور باغی ہے لہٰذا وہ منصب اور دولت پانے کے بعد اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنے لگتی ہے اور کبھی کبھی یہ حالت فقراء کے ساتھ بدکلامی کا سبب بنتی ہے۔لہٰذا پروردگار فرمارہا ہے کہ صرف خدا ہے جو بے نیاز ہے۔

درحقیقت صرف خدا ہے جو ہر شے سے بے نیاز ہے اور انسان کی بے نیازی سراب سے زیادہ کوئی چیز نہیں ہے۔لہٰذا مال ودولت، فقراء اور حاجت مندوں کے سامنے غرور و گھمنڈ کا سبب نہ بننے پائے اور اس سے بڑھ کر اگر خداوند عالم اپنے ناشکرے بندوں کے ساتھ حلیم اور بردبار ہے تو صاحبان ایمان کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے۔

ممکن ہے کہ مذکورہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ خدا تمہاری بخشش اور انفاق سے بے نیاز ہے اور تم جو کچھ بھی انجام دیتے ہو وہ سب تمہارے ہی فائدہ کے لئے ہے۔لہٰذا کسی پر احسان نہ جتاؤ۔اس کے علاوہ وہ تمہارے برے برتاؤ کی نسبت حلیم اور بردبار ہے اور وہ سزا

دینے میں جلدی نہیں کرتا تا کہ تم بیدار ہوجاؤاوراپنی اصلاح کرسکو۔اس پر غور وفکر کیجئے۔

۲۱.انفاق کے قبولیت کے دوسرے موانع

<اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًىۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ> (سورئہ بقرہ/آیت/۲۶۲)

جولوگ راہ خدا میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں اوراس کے بعد احسان نہیں جتاتے اور اذیت بھی نہیں دیتے ان کے لئے پروردگار کے یہاں اجر بھی ہےاور نہ انھیں کوئی خوف ہے اور نہ کوئی حزن۔

وضاحت

انمول اور قابل قبول انفاق کیا ہے؟

اس سوال کا جواب مذکورہ آیت میں دیا گیا ہے خداوند عالم فرماتا ہے: راہ خدا میں کیا گیا انفاق اسی وقت اس کی بارگاہ میں قبول ہوسکتا ہے جب اس کے ساتھ احسان جتانے اور حاجت مندوں کو تکلیف دینے والی کوئی چیز نہ ہو۔

لہٰذا جولوگ راہ خدا میں مال تو خرچ کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ریا کاری کرتے ہیں، حاجت مندوں کواذیت دیتے اوران پر احسان جتاتے ہیں جوان کی رنجیدگی کا سبب بنتا ہے ایسے افراد اپنے اس ناپسندیدہ عمل کے ذریعہ اپنے اجروثواب کوضائع کردیتے ہیں۔

اس آیہ کریمہ میں جس چیز کی طرف زیادہ توجہ دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید انسانی زندگی کے سرمایہ کوصرف مادی سرمایہ ہی نہیں جانتا ہے بلکہ وہ معنوی اور اجتماعی سرمایہ پر بھی نظر رکھتا ہے۔

جو شخص کسی کو کوئی چیز دیتا ہے اور اس پر احسان جتاتا ہے یا اسے اذیت دے کر اس کا دل توڑ دیتا ہے تو درحقیقت اس نے اسے کچھ دیا نہیں ہے اس لئے کہ اس نے ایک مادی سرمایہ دیا ہے اس کے بدلے میں اور ایک معنوی سرمایہ اس سے چھین لیا ہے اور بسا اوقات یہ ذلتیں اور روحی اذیتیں اس مال سے کہیں زیادہ ہوتی ہیں جو اسے دی گئی ہےں۔

لہٰذا اگر ایسے افراد اجر وثواب کے مستحق نہ ہوں تو عدالت کے موافق بات ہے بلکہ بہت سے مقامات پر حاجت مند افراد مقروض ہونے کے بجائے طلب گار بن جاتے ہیں۔اس لئے کہ انسان کی عزت وآبر، مال وثروت سے کہیں زیادہ برتر و بلند تر ہے۔

دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں احسان جتانے اور اذیت دینے کو کلمہ "ثُمَّ" کے ساتھ بیان کیا گیا ہے جو عام طور سے دو واقعہ کے درمیان فاصلہ کے لئے آتا ہے (اصطلاحاً تراخی کے لئے) لہٰذا آیت کا معنی یہ ہے کہ! جولوگ انفاق کرتے ہیں اور بعد میں احسان نہیں جتاتے اور اذیت نہیں دیتے ان لوگوں کا اجر وثواب خدا کے پاس محفوظ ہے۔

یہ تعبیر خود اس بات کی گواہ ہے کہ قرآن کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ انفاق ادب واحترام کے ساتھ ہو اور احسان جتانے سے خالی ہو بلکہ مہینے اور سال گذرنے کے بعد بھی اسے یاد کر کے اس پر احسان نہ جتایا جائے اور یہ تعبیر اسلام میں خالص اور بے ریا خدمات کی طرف

نشاندہی کررہی ہے۔

متوجہ رہنا چاہئے کہ احسان جتانا اور اذیت دینا جو کہ انفاق کے قبول نہ ہونے کا سبب ہے صرف حاجت مندوں اور فقیروں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ عمومی اور سماجی کاموں میں بھی اس بات کی رعایت کرنا ضروری ہے جیسے راہ خدا میں جہاد کرنا عام فلاحی کام انجام دیا مدرسے، مسجدیں، اور اسپتال بنانا۔

جملہ "لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ"

(ان کے اجر وثواب ان کے ان پروردگار کے پاس ہیں) راہ خدا میں انفاق کرنے والوں کو اطمینان دلاتا ہے کہ ان کے اجر وثواب ان پروردگار کے پاس محفوظ ہیں اور وہ اطمینان کے ساتھ اس راہ میں قدم اٹھائیں اس لئے کہ جو چیز خدا کے پاس ہے اس کو ہی نابودی کا کوئی خطرہ ہے اور نہ ہی کمی کا، بلکہ تعبیر "ربھم" (ان کا پروردگار) گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خداوند عالم ان کے اجر وثواب کو زیادہ اور برابر اس میں اضافہ کرتا رہتا ہے جیسا کہ دوسری آیات میں بھی اس بات کو بیان کیا گیا ہے۔

جملہ "وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ"

اس بات کے پیش نظر کہ "خوف"، آنے والے امور کے سلسلہ میں ہوتا ہے اور حزن وغم گذری ہوئی چیزوں کے متعلق ہوتا ہے لہٰذا فرماتا ہے کہ انفاق کرنے والے پروردگار کے نزدیک اپنے اجر وثواب کے محفوظ ہونے کی وجہ سے نہ ہی مستقبل اور قیامت سے خوفزدہ ہیں اور نہ ہی اپنے کئے ہوئے انفاق پر محزون اور فکرمند ہیں۔

روایات اسلامی میں انفاق کی قبولیت کے شرائط

روایات میں راہ خدا میں کئے ہوئے انفاق کو آفات سے بچانے کے لئے کچھ تاکیدی احکام بیان کئے گئے ہیں۔نمونہ کے طور پر:

۱۔حضرت علی۔نے ارشاد فرمایا:

آفة العطاء المطل (۱)

انفاق اور بخشش کی ایک آفت اس میں دیر کرنا ہے۔

۲۔امام جعفر صادق (ع) ارشاد فرماتے ہیں:

اذا کانت لك ید عند انسان فلا تفسدها بکثرة المنّ والذّکر لها ولکن اتبعها باٴفضل منها فاِٴن ذٰلك اجمل بك فی اخلاقك

جب کسی شخص کو کچھ عطا کرو تو احسان جتانے اور زیادہ یاددلانے کے ذریعہ اسے ضائع نہ کرو بلکہ اسے بہتر چیز دے کر اسے کامل کرو کہ یہ کام تمہارے اخلاق کو بہتر بنانے میں زیادہ موثر رہے۔(2)

۳۔حضرت علی۔نے عہدنامۂ مالک اشتر میں ارشاد فرمایا ہے:

ایاك والمن علیٰ رعیتك باحسانك او التزید فیما کان من فعلك او ان تعدهم فتتبع موعدك بخلفك فان المن یبطل الاحسان والتزید یذهب بنور الحق۔(2)

اورخبردار! رعایا پر احسان بھی نہ جتانا اور جو سلوک کیا ہے اسے زیادہ سمجھنے کی کوشش بھی نہ کرنا یا ان سے کوئی وعدہ کر کے اس کے بعد وعدہ خلافی بھی نہ کرنا کہ یہ طرز عمل احسان کو برباد کر دیتا

ہے اور زیادتی عمل کا غرور حق کی نورانیت کو فنا کر دیتا ہے۔

---

(1) غرر الحکم

(۱) بحار الانوار، ج ۷۵، ص ۲۸۳

(۲) نہج البلاغہ، مکتوب ۵۳

پانچویں فصل: نمائشی انفاق

۲۲. ریاکاروں کا انفاق

<وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَا ءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطَانُ لَه قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْناً#وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا> (سورئہ نساء: آیت۳۸_۳۹)

اور جو لوگ اپنے اموال کو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جس کا شیطان ساتھی ہو جائے وہ بدترین ساتھی ہے۔ان کا کیا نقصان ہے اگر یہ اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئیں اور جو چیز اللہ نے ان کو بطور رزق دیا ہے اسے کس راہ میں خرچ کریں اور اللہ ہر ایک کو خوب جانتا ہے۔

الٰہی اور نمائشی انفاق

یہ آیہ کریمہ متکبر، خودخواہ اور بخیل افراد کی طرف اشارہ کررہی ہے جن کا ذکر اس سے پہلی والی آیت میں آیا ہے۔خداوند عالم فرماتا ہے: یہ افراد وہ ہیں جو نہ صرف دوسروں کے ساتھ نیکی کرنے میں بخل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی بخل کی دعوت دیتے ہیں:

اَلَّذِیۡنَ یَبۡخَلُوۡنَ وَیَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبُخۡلِ

اور خداوند عالم نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہے اسے پوشیدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ لوگ ان سے کسی طرح کی کوئی توقع نہ رکھیں:

وَیَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِه

اس کے بعد ایسے لوگوں کا انجام اس طرح بیان کرتا ہے کہ: ہم نے کافرین کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔

شاید تعبیر کفر کا راز یہ ہو کہ عام طور سے کفر کا سرچشمہ بخل اور کنجوسی ہے اس لئے کہ بخیل، پروردگار کی بے نہایت نعمتوں اور اس کے وعدہ پر مکمل ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ اور وہ احسان کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ دوسروں کی مدد کرنا انہیں فقیر بنا دے گا۔

ایسے لوگوں کے لئے ذلیل و رسوا کن عذاب ہے اس لئے کہ تکبّر اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی سزا یہی ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ یہاں پر کنجوسی صرف مال ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خدا کی دی ہوئی ہر نعمت میں کنجوسی کو شامل ہے بہت سے ایسے افراد ہیں جو مال میں بخیل نہیں ہوتے لیکن علم و دانش اور اسی طرح کے دوسرے مسائل میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔

مذکورہ آیت میں کنجوس متکبرین کی ایک دوسری صفت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے خداوند عالم فرماتا ہے کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اگر انفاق بھی کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھاوے، شہرت اور مقام و منصب حاصل کرنے کے لئے۔ ان کا مقصد خدمت خلق اور رضائے الٰہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ انفاق کرنے میں سامنے والے کے استحقاق کو نظر میں نہیں رکھتے بلکہ ہمیشہ اس فکر میں

رہتے ہیں کہ کس طرح انفاق کیا جائے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکے اور اپنی موقعیت اور مقام کو مزید مستحکم بنایا جاسکے۔ اس لئے کہ وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا ان کے انفاق میں معنوی وہ جذبہ نہیں ہوتا ہے۔

وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطَانُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا

انہوں نے شیطان کو اپنا ساتھی بنا رکھا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے لئے بدترین ساتھی کا انتخاب کیا ہے اور وہ اس سے اچھا راستہ اختیار نہیں کرسکتا اس لئے کہ اس کی ساری فکر اور منطق ان کے دوست، شیطان کی فکر و منطق ہے اور شیطان ہی ہے جو اس سے کہتا ہے کہ خالصانہ انفاق فقر و غربت کا سبب بنتا ہے:

اَلشَّيْطَانُ يَعِدُ كُمُ الْفَقْرَ (۱)

اسی لئے وہ یا تو انفاق نہیں کرتا اور کنجوسی کرتا ہے (جیسا کہ پہلی آیت میں اشارہ ہوا) یا انفاق کرتا ہے تو ایسے مقامات پر جہاں سے شخصی اور ذاتی فائدہ اٹھاسکیں۔ (جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے)

اس آیہ کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ برا ساتھی کس حد تک انسان کے سرانجام میں موثر ثابت ہوسکتا ہے یہاں تک کہ اس کو پستی کے آخری درجہ تک پہنچا سکتا ہے اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ متکبرین کا شیطان (اور شیطانی اعمال) سے ایک مسلسل اور مستقل رابطہ ہے صرف وقتی اور اتفاقی نہیں۔ جیسا کہ فرمارہا ہے "انہوں نے شیطان کو اپنا دوست، ساتھی اور ہمنشین بنا رکھا ہے"

اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوْا بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللهُ

کیا ہوا کہ یہ لوگ اس گمراہی میں پلٹ آئے کاش یہ لوگ خدا اور روز قیامت پر ایمان لے آتے اور پروردگار نے انہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں ان کو خلوص نیت اور پاکیزہ افکار کے ساتھ اس کے بندوں پر انفاق کرتے اور اس کے ذریعہ دنیا و آخرت میں اپنے لئے سعادت و کامیابی کا انتظام کرتے ؟!!

آیت کے آخر میں فرماتا ہے خدا ان کے حالات سے آگاہ اور باخبر ہے۔

وَكَانَ اللهُ بِهِمْ عَلِيْماً

بے شک ہر حال میں خداوند عالم ان کی نیتوں اور اعمال سے باخبر ہے اور اسی کے مطابق انہیں جزا اور سزا دے گا۔

---

۱) سورۂ بقرہ/آیت/ ۲۸۶

قابل توجہ بات یہ ہے کہ گذشتہ آیات جن میں دکھاوے کے انفاق کو بیان کیا گیا تھا اس میں انفاق کی نسبت "اموال" کی طرف دی گئی ہے اور اس آیہ کریمہ میں:

مِمَّا رَزَقَهُمُ اللهُ

خدا کی عطا کردہ روزی کی طرف نسبت دی جا رہی ہے تعبیر کا یہ اختلاف ممکن ہے کہ تین اہم نکتوں کی طرف اشارہ ہو:

۱۔ دکھاوے کے انفاق میں مال کے حلال اور حرام ہونے کی طرف توجہ نہیں ہوتی جب کہ خدائی انفاق میں حلال اور

"مِمَّا رَزَقَهُمُ اللهُ"

کا مصداق ہونے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

۲۔ دکھاوے کے انفاق میں چونکہ انفاق کرنے والا مال کو اپنے سے متعلق جانتا ہے لہٰذا وہ احسان جتانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا جبکہ خدائی انفاق میں چونکہ اس بات کی طرف توجہ ہوتی ہے کہ ان اموال کو خدا ہی نے انہیں عطا کیا ہے اگر اسمیں سے کچھ اس کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو احسان جتانے اور منت گذاری کا کوئی مقام نہیں ہے لہٰذا وہ ہر طرح کی منت گذاری اور احسان جتانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

۳۔ دکھاوے کے انفاق عام طور سے مال سے مخصوص ہوتے ہیں اس لئے کہ ایسے افراد معنوی سرمایہ سے محروم ہوتے ہیں کہ ان میں سے کچھ انفاق کرسکیں لیکن خدائی انفاق کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ساری مادی اور معنوی نعمتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے چاہے مال اور علم ہو یا سماجی مقام ومنزلت یہ سب

"مِمَّا رَزَقَهُمُ اللهُ"

کا مصداق ہیں۔

یہ آیہ کریمہ متکبر، خودخواہ اور بخیل افراد کی طرف اشارہ کررہی ہے جن کا ذکر اس سے پہلی والی آیت میں آیا ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے: یہ افراد وہ ہیں جو نہ صرف دوسروں کے ساتھ نیکی کرنے میں بخل کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی بخل کی دعوت دیتے ہیں:

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ

اور خداوند عالم نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہے اسے پوشیدہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ لوگ

ان سے کسی طرح کی کوئی توقع نہ رکھیں:

وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِه

اس کے بعد ایسے لوگوں کا انجام اس طرح بیان کرتا ہے کہ: ہم نے کافرین کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔

شاید تعبیر کفر کا راز یہ ہو کہ عام طور سے کفر کا سرچشمہ بخل اور کنجوسی ہے اس لئے کہ بخیل، پروردگار کی بے نہایت نعمتوں اور اس کے وعدہ پر مکمل ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ اور وہ احسان کرنے والوں سے کہتے ہیں کہ دوسروں کی مدد کرنا انہیں فقیر بنا دے گا۔

ایسے لوگوں کے لئے ذلیل و رسوا کن عذاب ہے اس لئے کہ تکبّر اور دوسروں کو ذلیل کرنے کی سزا یہی ہے۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ یہاں پر کنجوسی صرف مال ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ خدا کی دی ہوئی ہر نعمت میں کنجوسی کو شامل ہے بہت سے ایسے افراد ہیں جو مال میں بخیل نہیں ہوتے لیکن علم و دانش اور اسی طرح کے دوسرے مسائل میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں۔

مذکورہ آیت میں کنجوس متکبرین کی ایک دوسری صفت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے خداوند عالم فرماتا ہے کہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اگر انفاق بھی کرتے ہیں تو لوگوں کے دکھاوے، شہرت اور مقام و منصب حاصل کرنے کے لئے۔ ان کا مقصد خدمت خلق اور رضائے الٰہی نہیں ہوتا۔ لٰہذا وہ انفاق کرنے میں سامنے والے کے استحقاق کو نظر میں نہیں رکھتے بلکہ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس طرح انفاق کیا جائے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے اور اپنی

موقعیت اور مقام کو مزید مستحکم بنایا جا سکے۔اس لئے کہ وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان نہیں رکھتے لہٰذا ان کے انفاق میں معنوی وہ جذبہ نہیں ہوتا ہے۔

وَمَنۡ یَّکُنِ الشَّیۡطَانُ لَہٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا

انہوں نے شیطان کو اپنا ساتھی بنا رکھا ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے لئے بدترین ساتھی کا انتخاب کیا ہے اور وہ اس سے اچھا راستہ اختیار نہیں کرسکتا اس لئے کہ اس کی ساری فکر اور منطق ان کے دوست، شیطان کی فکر و منطق ہے اور شیطان ہی ہے جو اس سے کہتا ہے کہ خالصانہ انفاق فقر و غربت کا سبب بنتا ہے:

اَلشَّیۡطَانُ یَعِدُکُمُ الۡفَقۡرَ (۱)

اسی لئے وہ یا تو انفاق نہیں کرتا اور کنجوسی کرتا ہے (جیسا کہ پہلی آیت میں اشارہ ہوا) یا انفاق کرتا ہے تو ایسے مقامات پر جہاں سے شخصی اور ذاتی فائدہ اٹھا سکیں۔(جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے)

اس آیہ کریمہ سے یہ بات بھی معلوم ہوجاتی ہے کہ برا ساتھی کس حد تک انسان کے سرانجام میں موثر ثابت ہوسکتا ہے یہاں تک کہ اس کو پستی کے آخری درجہ تک پہنچا سکتا ہے اور یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ متکبرین کا شیطان (اور شیطانی اعمال) سے ایک مسلسل اور مستقل رابطہ ہے صرف وقتی اور اتفاقی نہیں۔جیسا کہ فرما رہا ہے "انہوں نے شیطان کو اپنا دوست، ساتھی اور ہمنشین بنا رکھا ہے"

اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے: وَمَا ذَا عَلَیۡہِمۡ لَوۡ آمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقَہُمُ اللّٰہُ

کیا ہوا کہ یہ لوگ اس گمراہی میں پلٹ آئے کاش یہ لوگ خدا اور روز قیامت پر ایمان لے

آتے اور پروردگار نے انہیں جونعمتیں عطا کی ہیں ان کوخلوص نیت اور پاکیزہ افکار کے ساتھ اس کے بندوں پر انفاق کرتے اور اس کے ذریعہ دنیا وآخرت میں اپنے لئے سعادت و کامیابی کا انتظام کرتے ؟!!

آیت کے آخر میں فرماتا ہے خدا ان کے حالات سے آگاہ اور باخبر ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيماً

بے شک ہر حال میں خداوند عالم ان کی نیتوں اور اعمال سے باخبر ہے اور اسی کے مطابق انہیں جزا اور سزا دے گا۔

ا)سورۂ بقرہ/آیت/۲۸۶

قابل توجہ بات یہ ہے کہ گذشتہ آیات جن میں دکھاوے کے انفاق کو بیان کیا گیا تھا اس میں انفاق کی نسبت "اموال" کی طرف دی گئی ہے اور اس آیہ کریمہ میں:

مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ

خدا کی عطا کردہ روزی کی طرف نسبت دی جا رہی ہے تعبیر کا یہ اختلاف ممکن ہے کہ تین اہم نکتوں کی طرف اشارہ ہو:

ا۔دکھاوے کے انفاق میں مال کے حلال اور حرام ہونے کی طرف توجہ نہیں ہوتی جب کہ خدائی انفاق میں حلال او

ر "مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ"

کا مصداق ہونے کی طرف توجہ ہوتی ہے۔

۲۔ دکھاوے کے انفاق میں چونکہ انفاق کرنے والا مال کو اپنے سے متعلق جانتا ہے لہٰذا وہ احسان جتانے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا جبکہ خدائی انفاق میں چونکہ اس بات کی طرف توجہ ہوتی ہے کہ ان اموال کو خدا ہی نے انہیں عطا کیا ہے اگر اسمیں سے کچھ اس کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو احسان جتانے اور منت گذاری کا کوئی مقام نہیں ہے لہٰذا وہ ہر طرح کی منت گذاری اور احسان جتانے سے پرہیز کرتے ہیں۔

۳۔ دکھاوے کے انفاق عام طور سے مال سے مخصوص ہوتے ہیں اس لئے کہ ایسے افراد معنوی سرمایہ سے محروم ہوتے ہیں کہ ان میں سے کچھ انفاق کر سکیں لیکن خدائی انفاق کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ساری مادی اور معنوی نعمتوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے چاہے مال اور علم ہو یا سماجی مقام ومنزلت یہ سب

"مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ"

کا مصداق ہیں۔

۲۳ .نمائشی انفاق کا دوسرا نمونہ

<اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَه جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ لَه فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَاَصَابَه الْكِبَرُ وَلَه ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ> (سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۶)

کیا تم میں کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجور اور انگور کے باغ ہوں ان کے نیچے نہریں

جاری ہوں ان میں ہر طرح کے پھل ہوں اور آدمی بوڑھا ہو جائے اس کے کمزور بچے ہوں اور پھر اچانک تیز گرم ہوا جس میں آگ بھری ہو چل جائے اور سب جل کر خاک ہو جائے خدا اسی طرح اپنی آیات کو واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ شاید تم فکر کر سکو۔

وضاحت

ایک بہترین مثال

اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ

قرآن کریم اس آیہ کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ روز قیامت انسان اعمال صالح کا محتاج ہوگا اور یہ کہ کس طرح دکھاوا، احسان جتانا اور اذیت دینا انسان کے انفاق اور نیک اعمال کو برباد کر دیتا ہے اس کی ایک عمدہ مثال ذکر کرتا ہے یہ مثال اس شخص کے حالات کو مجسم کرتی ہے جس نے مختلف قسم کے درختوں جیسے کھجور اور انگور وغیرہ کے سرسبز و شاداب باغ پروان چڑھا رکھا ہو اور اس میں برابر پانی جاری ہو جس کی وجہ سے سینچائی کی ضرورت نہ ہو۔ اور وہ شخص بوڑھا ہو جائے اور اس کے کمزور و ناتواں بچے اس کے اردگرد ہوں اور زندگی بسر کرنے کا ذریعہ فقط یہی ایک باغ ہو اور اچانک ایسی تیز اور گرم ہوا چلے جو آگ سے بھری ہو اور وہ باغ کو جلا کر راکھ کر دے ایسی صورت میں بوڑھا جو جوانی کی طاقت و قوت کھو چکا ہے اس کے پاس زندگی بسر کرنے کا کوئی دوسرا ذریعہ بھی نہ ہو اور اس کے بچے بھی کمزور و ناتواں ہوں تو اس کی کیا حالت ہوگی اور اسے کس قدر حسرت اور دکھ ہوگا۔

جو لوگ نیک عمل انجام دیتے ہیں اور اس کے بعد دکھاوے اور احسان جتانے اور اذیت دینے کی وجہ سے اسے ضائع کر دیتے ہیں ان کا حال بھی اسی بوڑھے باغبان کے مانند ہے جس نے بہت زیادہ زحمتیں برداشت کیں اور جب اس سے فائدہ اٹھانے کی اسے سخت ضرورت ہوئی تو اس کام کے نتیجہ بالکل تباہ و برباد ہو گیا اور حسرت و غم کے علاوہ کوئی چیز باقی نہ رہی۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ

چونکہ تمام بدبختیاں خاص طور سے احمقانہ کاموں کا سرچشمہ غور و فکر نہ کرنا ہے جیسے احسان جتانا جس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس کا نقصان بہت زیادہ اور جلدی ہوتا ہے لہٰذا خداوند عالم آخر آیت میں لوگوں کو غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

اس طرح خدا آیات کو تمہارے لئے واضح کرتا ہے کہ شاید تم غور و فکر کرو۔

دو نکتے

۱۔ جملہ "وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ"

(باغ کا مالک بوڑھا ہے اور اس کے بچے کمزور ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ خدا میں انفاق و بخشش کرنا اور حاجت مندوں کی مدد کرنا سرسبز و شاداب باغ کے مانند ہے خود مالک بھی اس کے پھلوں سے بہرہ مند ہوتا ہے اور اس کے بچے بھی جبکہ ریاکاری، احسان جتانا اور اذیت دینا خود اس کی بھی محرومی کا سبب ہے اور آنے والی نسلوں کی بھی محرومی کا باعث ہے جنھیں اس کے

نیک اعمال کے برکات اور ثمرات سے بہرہ مند ہونا ہے۔

یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ آنے والی نسلیں گذشتہ نسلوں کے نیک اعمال کے نتائج و اثرات میں شریک اور حصہ دار ہیں۔ سماجی اعتبار سے بھی ایسا ہی ہے اس لئے کہ اپنے نیک کاموں کی وجہ سے لوگوں کے درمیان جو محبوبیت، حسن شہرت اور اعتماد حاصل کرتے ہیں وہ ان کی اولاد کے لئے بھی ایک بہت بڑا سرمایہ ہے۔

۲-جملہ "اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ"

یعنی وہ گردوباد کہ جس میں آگ ہو" ممکن ہے کہ ان گردوباد کی طرف اشارہ ہو جو مسموم اور خشک کر دینے والی ہواؤں سے پیدا ہوتی ہیں یا وہ گردوباد جو ایسے مقام سے گذرا ہو جہاں پر آگ جل رہی ہو۔

معمول کے مطابق گردوباد اپنے راستہ میں آنے والی ہر چیز کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچا دیتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس گردوباد کی طرف اشارہ ہو جو بجلیکے ساتھ ہو جب بھی وہ کسی مقام پر گرتی ہے تو ہر چیز کو راکھ میں بدل دیتی ہے۔ بہر حال بہت جلدی اور مکمل نابودی اور تباہی کی طرف اشارہ ہے۔ (تیسرا احتمال زیادہ مناسب لگتا ہے)

نمائشی انفاق، روایات کی روشنی میں

خلوص نیت تمام عبادات خاص طور سے انسانی امداد اور اعمال خیر کی قبولیت کی شرط ہے اسی لئے اس مسئلہ کو روایات معصومین (ع) میں وسیع پیمانے پر بیان کیا گیا ہے نمونہ کے طور پر یہاں چند روایات کو بیان کیا جا رہا ہے:

(۱) رسول خدا ارشاد فرماتے ہیں:

سبعة فی ظلّ عرش الله عزّ وجلّ یوم لا ظلّ اِلاّ ظلّه :رجل تصدّق بیمینه فاخفاه عن شماله(۱)

سات دستہ ایسے ہیں جو اس دن عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے جس دن سایہ (الٰہی) کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا (ان میں سے) ایک وہ دستہ ہے جو داہنے ہاتھ سے صدقہ دے اور بائیں ہاتھ کو علم بھی نہ ہوگا۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

افضل ما توسّل به المتوسّلون، الایمان بالله و صدقة السرّ فاِنّها تذهب الحطیئةو تطفی غضب الرّب(۲)

سب سے برتر چیز جس سے توسل کرنے والے توسل کرتے ہیں، پروردگار پر ایمان لانا اور پوشیدہ طور سے صدقہ دینا ہے جو گناہ کو نابود اور غضب الٰہی کو ختم کر دیتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا:

لا تتصدّق علی اٴعین النّاس لیز کوّکَ فاِنّك اٴن فعلت ذٰلك فقد استو فیت اجرك ولکن اٴذا اٴعطیت بیمینك فلا تطّلع علیها شمالك فاٴن الّذی

تتصدّق له سرّاً يجزيك علانية (۳)

لوگوں کے سامنے انفاق نہ کرو کہ وہ تمہاری تعریف کریں اس لئے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تم اپنی جزا حاصل کر چکے ہو۔ (یعنی لوگوں کی تعریف) لیکن جب بھی تم داہنے ہاتھ سے انفاق کرو تو اس طرح انفاق کرو کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ بھی ہو سکے۔ اس لئے کہ جس کے لئے تم پوشیدہ طور سے صدقہ دے رہے ہو وہ تمہیں علانیہ اس کی جزا دے گا۔

---

(۱) بحارالانوار۔ ج ۹۳، ص ۱۷۷

(۲) میزان الحکمۃ، حدیث ۱۰۴۱۸

(۳) بحارالانوار، ج ۷۵، ص ۲۰۴

چھٹی فصل: انمول انفاق کی دس لازمی شرطیں

۲۴. انمول انفاق کی دس لازمی شرطیں

اس سے پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں کہ قرآن مجید نے راہ خدا میں انفاق کے سلسلہ میں ایک لطیف تعبیر بیان کی ہے اور اسے پروردگار کو قرض دینے سے تعبیر کیا ہے ایسا قرض کہ اس کا بہت بڑا فائدہ پروردگار کی طرف سے ادا کیا جائے گا۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ اسے "قرض الحسنہ" کہا گیا ہے، یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ قرض دینے کی بھی مختلف قسمیں ہیں کہ ان میں سے بعض کو "قرض الحسنہ" اور بعض کو کم قیمت اور بعض کو بے قیمت و بے وقعت شمار کیا جا سکتا ہے۔

قرآن مجید نے قرض الحسنہ یا دوسرے لفظوں میں "انمول انفاق" کی شرطوں کو متعدد آیات میں بیان کیا ہے اور بعض مفسرین نے انھیں جمع کر کے دس شرطیں نکالی ہیں:

۱۔ انفاق کے لئے مال کے بہترین حصہ کا انتخاب کیا جائے، سستے مال کا نہیں۔

<يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ>

اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی اور جو کچھ ہم نے زمین میں تمہارے لئے پیدا کیا ہے سب میں سے راہ خدا میں خرچ کرو اور خبردار انفاق کے ارادہ سے خراب مال کو ہاتھ بھی نہ لگانا کہ اگر یہ مال تم کو دیا جائے تو آنکھ بند کئے بغیر چھوؤ گے بھی نہیں یاد رکھو کہ خدا سب سے بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا بھی ہے۔(۱)

۲۔ ایسی چیزوں میں سے انفاق کیا جائے جس کی لوگوں کو ضرورتہو جیسا کہ پروردگار عالم ارشاد فرمارہا ہے:

<وَیُؤْثِرُونَ عَلیٰ اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ>(۲)

اور اپنے نفس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔

۳۔ ایسے لوگوں پر انفاق کیا جائے جو سخت محتاج ہوں اور اولیت کو نظر میں رکھا جائے۔

<لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ>(۳)

یہ صدقہ ان فقراء کے لئے ہے جو راہ خدا میں گرفتار ہو گئے ہیں۔

۴۔ انفاق اگر پوشیدہ طور سے ہو تو بہتر ہے۔

<وَاِنْ تُخْفُوْھَا وَ تُؤْتُوْھَا الْفُقَرَآءَ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ>(۴)

اور اگر (انفاق کو) چھپا کر فقیروں کے حوالے کردو گے تو یہ بھی بہت بہتر ہے۔

۵۔ انفاق کے ساتھ احسان جتانا اور ایذا رسانی نہ ہو۔

<یآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَاتُبْطِلُوْا صَدَقَاتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذیٰ>(۵)

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتانے اور اذیت سے برباد نہ کرو۔

۶۔ انفاق خلوص نیت کے ساتھ ہو۔

<يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ<(٦)
اپنے اموال کو رضائے الٰہی کی طلب کے لئے خرچ کرتے ہیں۔
۷۔انفاق کی جانے والی چیز کو چھوٹی اور کم اہمیت سمجھو۔
جس چیز کو انفاق کر رہے ہو اسے کم اہمیت سمجھو اگر چہ وہ ظاہراً کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو:
<وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ<
اس طرح احسان نہ کرو کہ زیادہ کے طلبگار بن جاؤ۔(7)
۸۔ان چیزوں میں سے انفاق کیا جائے جو محبوب اور پسندیدہ ہوں۔
<لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ<(8)
تم نیکی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے جب تک اپنی محبوب چیزوں میں سے راہ خدا میں خرچ نہ کرو۔
۹۔کبھی بھی اپنے آپ کو مالک حقیقی تصور نہ کیا جائے بلکہ اپنے آپ کو خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ سمجھنا چاہئے۔
<وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ<(9)
اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں اپنا نائب قرار دیا ہے۔
۱۰۔انفاق حلال مال سے ہونا چاہئے اس لئے کہ خداوند صرف اسی کو قبول کرتا ہے۔
<اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ<(10)
خدا صرف صاحبان تقویٰ کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔
جو کچھ بیان کیا گیا وہ انفاق کے قبول ہونے کے شرائط میں سے چند اہم شرائط ہیں آیات و

روایات میں غور وفکر کر کے دوسرے اہم شرائط اور اوصاف کو معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

ان میں سے بعض شرطیں واجب ہیں (جیسے احسان نہ جتانا اور اذیت نہ دینا اور ریا کاری نہ کرنا) اور کچھ شرائط کمال ہیں جیسے (اپنی ضرورت کے وقت دوسروں پر ایثار کرنا) کہ اس کا نہ ہونا انفاق کی اہمیت کو ختم نہیں کرتا۔ اگر چہ اسے سب سے بلند درجہ پر بھی قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ: آیت ۲۶۷

(۲) سورۂ حشر: آیت ۹

(۳) سورۂ بقرہ/آیت/ ۲۷۳

(۴) سورۂ بقرہ/آیت/ ۲۷۱

(۵) سورۂ بقرہ/آیت ۲۶۴

(۶) سورۂ بقرہ/آیت/ ۲۶۵

(7) سورۂ مدثر/آیت/ ۶

(8) سورۂ آل عمران/آیت/ ۹۲

(9) سورۂ حدید/آیت/ ۷

(10) سورۂ مائدہ/آیت/ ۲۷

ساتویں فصل: راہ خدا میں انفاق کے سبق آموز قصے

1. رسول خدا سے سیکھیں

رسول خدا کا پیراہن پرانا ہوگیا تھا،ایک شخص نے آپ کی خدمت میں بارہ درہم ہدیہ کیا۔آپ نے وہ درہم حضرت علی (ع) کے حوالہ کیا تا کہ آپ کے لئے بازار سے ایک پیراہن لائیں۔حضرت علی (ع) نے اتنی ہی قیمت کا ایک لباس خریدا، جب آپ وہ پیراہن رسول خدا کی خدمت میں لائے تو آپ نے فرمایا: یہ پیراہن بہت قیمتی ہے۔
اس سے کم قیمت کا پیراہن میرے لئے زیادہ بہتر ہوگا۔کیا تم سوچتے ہو کہ دوکاندار اسے واپس لے لے گا؟
حضرت علی (ع) نے عرض کی: نہیں معلوم۔
آپ نے فرمایا: اس کے پاس جاؤ شاید راضی ہوجائے؟
حضرت علی (ع) اس دوکاندار کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: رسول خدا نے فرمایا ہے کہ یہ پیراہن میرے لئے زیادہ قیمتی ہے اور میں اس سے سستا اور کم قیمت کا لباس چاہتا ہوں۔دوکاندار راضی ہوگیا اور اس نے وہ بارہ درہم واپس کردیئے۔
حضرت علی (ع) فرماتے ہیں: میں درہم لے کر واپس آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ خود میرے ساتھ بازار تشریف لے گئے تا کہ پیراہن خریدیں۔آپ نے راستہ میں

ایک کنیز کو دیکھا جو ایک گوشہ میں بیٹھی رو رہی تھی، آنحضرت (ع) اس کے قریب گئے اور رونے کا سبب دریافت فرمایا: کنیز نے کہا: یا رسول اللہ! میرے مالک نے کچھ سامان کی خریداری کے لئے مجھے بازار بھیجا تھا اور میرے پاس چار درہم تھے لیکن میں نے انھیں کھو دیا ہے۔

رسول خدا نے پیراہن کے بارہ درہم میں سے چار درہم اسے عطا فرمائے اور چار درہم کا ایک پیراہن بھی خریدا۔

واپسی میں ایک فقیر نے آپ سے لباس کا تقاضا کیا، آنحضرت نے وہ پیراہن اسے عطا کر دیا اور پھر بازار واپس جا کر باقی چار درہم سے ایک دوسرا پیراہن خریدا۔ جب اس جگہ پر پہنچے جہاں کنیز سے ملاقات ہوئی تھی تو دیکھا وہ ابھی تک رو رہی ہے اس کے پاس گئے اور فرمایا: اب کیوں رو رہی ہے؟

کنیز نے کہا مجھے گھر سے نکلے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے میں ڈر رہی ہوں کہ کہیں میرا مالک مجھے مارے نا!

آپ نے فرمایا: تو آگے آگے چلو اور مجھے اپنے مالک کا گھر بتا۔

رسول خدا جیسے ہی گھر کے دروازہ پر پہنچے آپ نے صاحب خانہ کو سلام کیا۔ لیکن اس نے تیسری مرتبہ بھی جواب سلام نہ دیا۔ رسول خدا نے سلام کا جواب نہ دینے کے بارے میں سوال فرمایا تو مکان مالک نے عرض کیا: میں نے چاہا کہ آپ کا درود و سلام ہم پر زیادہ سے زیادہ ہوتا کہ نعمتوں میں اضافے اور ہماری سلامتی کا باعث بنے۔

آنحضرت نے کنیز کا واقعہ بیان فرمایااوراس سے فرمایا: کہ وہ کنیز کومعاف کردے۔کنیز کے مالک نے کہا: چونکہ آپ تشریف لائے ہیں اس لئے میں نے اسے آزاد کردیا۔اس وقت آپ نے فرمایا: میں اس قدر خیر وبرکت والے بارہ درہم نہ دیکھے تھے۔جنہوں نے دو برہنہ شخص کولباس اورایک کنیز کوآزادکرادیا۔(۱)

----

(۱) حیات القلوب/ ج/ ۲،ص/۱۱۶

۲۔ا خلاص عمل حضرت علی -سے سیکھیں

صاحب کتاب"دررالمطالب" تحریر فرماتے ہیں: ایک دن حضرت علی (ع) نے راستہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ جس کے بچے بھوک سے رورہے تھےاوروہ انھیں بہلا رہی تھی۔ بچوں کو چپ کرانے کے لئے اس نے چند اینٹوں پرایک دیگ رکھ رکھی تھی جس میں پانی کےعلاوہ کچھ نہ تھا اوراس کے نیچے آگ جل رہی تھی تا کہ بچے یہ خیال کریں کہ وہ ان کے لئے کھانا پکارہی ہےاس طرح اس عورت نے ان بچوں کوسلادیا۔

حضرت علی (ع) یہ ماجرادیکھ کرقنبر ؓ کےساتھ تیزی سے گھر گئے۔کھجورکا ایک برتن، آٹے کی ایک بوری اور تیل، چاول اپنے کاندھے پر رکھ کر وہاں واپس آئے۔قنبر ؓ نے آپ (ع) سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تا کہ میں ان سامان کو اٹھالوں لیکن آپ (ع)

راضی نہ ہوئے۔ جب اس عورت کے گھر کے قریب پہنچے تو گھر میں داخل ہونے کی اجازت لے کر گھر میں داخل ہو گئے۔ چاول اور تیل پتیلی میں ڈالا اور ایک اچھا کھانا تیار کر دیا۔اس کے بعد بچوں کو جگایا اور اپنے ہاتھوں سے انھیں کھانا کھلایا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے۔اس کے بعد تھوڑی دیر تک ان کے ساتھ کھیلتے رہے جس سے بچے پہلے والی تکلیف بھول گئے اس کے بعد آپ (ع) گھر سے باہر تشریف لائے۔

قنبر ؓ نے عرض کی: اے میرے آقا و مولا! آج میں نے آپ سے دو چیز مشاہدہ کیا ہے جن میں سے ایک کی علت تو جانتا ہوں لیکن دوسری کا سبب میرے لئے واضح نہیں ہے وہ یہ کہ یتیم بچوں کے سامان کو آپ (ع) نے خود اٹھایا اور اجازت نہ دی کہ میں بھی اس میں شریک ہوتا یہ کام اجر و ثواب کے حصول کے لئے تھا۔لیکن بچوں کے ساتھ کھیل کر ان کو بہلانا کس لئے تھا؟ آپ (ع) نے فرمایا: میں جب ان بچوں کے پاس گیا تھا تو وہ بھوک سے رو رہے تھے ،میں نے چاہا کہ جب ان کے پاس سے واپس آؤں تو وہ سیر بھی ہو چکے ہوں اور ہنس بھی رہے ہوں۔(۱)

---

(۱) شجرۂ طوبیٰ

۳. شفاعت کی سند

خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا کی شہادت کے وقت امیر المومنین حضرت علی (ع) نے آپ کے بستر کے پاس ایک صندوقچہ دیکھا تو آپ نے سوال فرمایا یہ کیا ہے؟

جناب فاطمہ زہرا نے عرض کیا: اس صندوقچہ میں ایک سبز حریر ہے اور اس حریر کے درمیان ایک سفید صفحہ ہے اور اس صفحہ میں چند سطریں تحریر ہیں۔

حضرت علی (ع) نے فرمایا: اس کا مضمون کیا ہے؟ بنت رسول نے جواب دیا: شادی کی رات میں اپنے مصلے پر بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک فقیر آیا اور اس نے لباس کا تقاضا کیا۔ میرے پاس صرف دو لباس تھے ایک نیا جو اس رات زیب تن کیا تھا اور ایک پرانا جوڑا تھا۔ میں نے نئے لباس کو فقیر کو دے دیا۔

صبح میرے والد بزرگوار مجھ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے آپ نے فرمایا: فاطمہ تمہارے پاس تو نیا کپڑا تھا اسے کیوں نہیں پہنا۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ نے نہیں فرمایا ہے کہ انسان جو کچھ بھی صدقہ میں دے گا اور اس سے غریبوں اور محتاجوں کی مدد کرے گا وہ اس کے لئے باقی رہے گا۔ میں نے بھی اس نئے کپڑے کو ایک فقیر کو دے دیا۔

آپ نے فرمایا: اگر تم نیا کپڑا پہنتی اور پرانے کپڑے کو فقیر کو دے دیتی تو یہ تمہارے شوہر کے لئے بھی بہتر ہوتا اور وہ فقیر بھی لباس پا جاتا۔

میں نے عرض کیا کہ اس کام میں بھی میں نے آپہی کی پیروی کی ہے اس لئے کہ میری ماں

خدیجہ نے جب آپ کی خدمت کا شرف حاصل کیا اور اپنی ساری دولت آپ کے حوالہ کر دیا اور آپ نے ساری دولت راہِ خدا میں عطا کر دی یہاں تک کہ ایک سائل نے آپ سے ایک لباس کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنا لباس اسے دے دیا اور ان کاموں میں آپ کے مثل کوئی نہیں ہے۔ (یہ سن کر) میرے والد رو دیئے اور مجھے سینہ سے لگا لیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا: (ابھی) جبرئیل نازل ہوئے تھے اور خدا کی جانب سے تمہیں سلام عرض کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے (کہ خداوند عالم فرماتا ہے) فاطمہ سے کہہ دیجئے وہ کہ جو کچھ بھی مجھ سے چاہتی ہیں طلب کر لیں کہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں۔ میں نے عرض کی:

"یا ابتاہ شغلتنی عن المسئلة لذة خدمته لا حاجة لی غیر لقاء ربی الکریم فی دار السلام"

بابا جان! خدا کی خدمت کی لذت اور شیرینی نے مجھے کسی دوسری چیز کے مطالبہ سے روک رکھا ہے اور خدا سے ملاقات کے علاوہ میری دوسری کوئی آرزو نہیں ہے۔

میرے والد ماجد نے اپنے دست مبارک کو آسمان کی طرف بلند کیا اور مجھے بھی حکم دیا کہ میں بھی اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف بلند کروں۔ اس کے بعد فرمایا: "اللّٰھم اغفر لامتی" خدایا! میری امت کو بخش دے۔

(اسی وقت) جبرئیل نازل ہوئے اور آپ کی خدمت میں عرض کی: خداوند عالم فرما رہا ہے: تمہاری امت میں سے جو لوگ فاطمہ ان کے شوہر اور ان کی اولاد سے محبت کریں گے میں انھیں بخش دوں گا۔

میں نے اس بات کے لئے ایک سند اور نوشتہ کا بھی مطالبہ کیا تو جبرئیل یہ سبز حریر لے کر آئے

اس میں یہ لکھا ہوا ہے: "کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ" جبرئیل ومکائیل نے بھی اس کی گواہی دی ہے۔میرے والد بزرگوار نے فرمایا: اس سبز حریر کو حفاظت سے رکھو اور وفات کے وقت وصیت کرو کہ اسے تمہارے ساتھ قبر میں دفن کردیں۔ میں چاہتی ہوں کہ قیامت کے دن جب آتش جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے تو تم میری امت کی بخشش کی دعا کرو۔(۱)

---

(۱) ریاحین الشریعہ نقل از ابن جوزی، ص/ ۱۰۶

۴.دوست و دشمن پر انفاق

معلیٰ بن خنیس کا بیان ہے کہ برسات کی ایک رات میں نے امام جعفر صادق (ع) کو دیکھا کہ اپنے گھر سے نکل کر "ظلہ بنی ساعدہ" (ایک سائبان جس میں بے گھر افراد گرمی اور سردی سے بچنے کے لئے پناہ لیتے تھے) کی طرف تشریف لے جارہے ہیں۔میں خاموشی سے آپ (ع) کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔راستہ میں آپ (ع) کے دست مبارک سے کوئی چیز زمین پر گر پڑی آپ (ع) نے فرمایا: "بسم اللہ اللّٰھم ردّ علینا" خدا میری گمشدہ چیز کو پلٹا دے۔اس وقت میں امام (ع) کے قریب گیا اور آپ (ع) کو سلام کیا آپ (ع) نے فرمایا:۔معلّیٰ تم ہو؟ میں نے عرض کیا: ہاں، میں آپ (ع) پر قربان ہوجاؤں۔آپ (ع) نے فرمایا: تلاش کرو اور جو کچھ بھی پاؤ مجھے دے دو۔میں نے زمین پر ہاتھ پھیرا، معلوم ہوا کہ

بہت زیادہ روٹیاں زمین پر بکھری ہوئی ہیں میں جتنی بھی پا سکا اسے آنحضرت(ع) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ روٹیوں سے بھرا ہوا ایک بہت بڑا تھیلا ہے جو اتنا وزنی ہے کہ اس کا اٹھانا میرے لئے دشوار ہے۔

میں نے عرض کیا: اجازت دیجئے میں اٹھالوں! آپ(ع) نے فرمایا: میں اس کے اٹھانے کا زیادہ حقدار ہوں۔ لیکن تم میرے ساتھ آؤتا کہ ایک ساتھ ظلہ بنی ساعدہ چلیں۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جو وہاں سو رہے تھے۔ امام جعفر صادق(ع) ہر ایک کے پاس ایک ایک یا دو دو روٹی رکھتے جاتے تھے۔ اس طرح سے آپ(ع) نے سب پر روٹی تقسیم کر، (اس کے بعد) ہم لوگ ظلہ بنی ساعدہ سے باہر آئے۔ میں نے عرض کیا: کیا یہ لوگ حق کو پہچانتے ہیں (اور شیعہ ہیں؟) آپ(ع) نے فرمایا: اگر حق کو پہچاننے والے ہوتے تو میں انھیں اپنے گھر کے نمک میں بھی شریک کرتا۔ (اے معلیٰ!) جان لو کہ خداوند عالم نے کسی چیز کو بھی خلق نہیں کیا ہے۔ جو اس کا محافظ اور نگہبان ہے۔ میرے والد ماجد (امام محمد باقر(ع)) جب بھی صدقہ دیتے تھے اور کوئی چیز بھی سائل کے ہاتھ میں رکھتے تھے تو اسے واپس اٹھا لیتے تھے اسے چومتے اور سونگھتے تھے اس کے بعد دوبارہ سائل کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔ رات میں صدقہ دینا خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے، گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔ روز قیامت کے حساب و کتاب کو آسان بنا دیتا ہے اور دن میں صدقہ دینا مال اور عمر میں اضافے کا باعث ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم(ع) دریا کے کنارے سے گذرتے تھے تو اپنے کھانے میں سے ایک روٹی دریا میں ڈال دیتے تھے۔ ایک حواری نے

آپ (ع) سے عرض کی: آپ (ع) نے ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ روٹی آپ (ع) کا کھانا ہے؟ آپ (ع) نے فرمایا: میں نے یہ روٹی دریا میں اس لئے ڈالی ہے وہ کسی دریائی جانور کا حصہ بنے۔ خدا کے نزدیک اس کام کا بہت بڑا اجر وثواب ہے۔ (۱)

---

(۱) فروع کافی جلد/ ۴، ص/ ۹

۵. بھوکے جانور پر انفاق

ایک سال قحط میں جبکہ لوگ بہت زیادہ سختی اور پریشانی میں مبتلا تھے ایک دینی طالب علم نے دیکھا کہ ایک کتیا زمین پر لیٹی ہے اور اس کے بچے اس کے دودھ سے چپکے ہوئے ہیں۔ کتیا زمین سے اٹھنا چاہتی ہے لیکن کمزوری کی وجہ سے نہیں اٹھ پاتی وہ اپنی طاقت وقوت کو کھو بیٹھی ہے۔ طالب علم کو اس جانور کی یہ حالت دیکھ کر بہت رحم آیا۔ اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی جو اس جانور کو دیتا مجبوراً اپنی کتاب کو بیچا اور اس کے پیسہ سے روٹی خرید کر کتیا کے سامنے رکھ دیا۔

کتیا نے آسمان کا رخ کیا اس کی آنکھوں سے آنسو کا قطرہ ٹپکا گویا وہ طالب علم کے لئے دعا کر رہی تھی۔ رات میں اس طالب علم نے خواب میں دیکھا کہ اس سے کوئی کہہ رہا ہے: "انا اعطیناک من لدنا علماً" میں نے تمہیں اپنے پاس سے علم عطا کیا۔ اس طالب علم نے بھی اپنے

اندر بہت زیادہ علم کا احساس کیا جس کے نتیجہ میں اسے زیادہ پڑھنے اور مطالعہ کرنے کے رنج ومشقت کی ضرورت نہ تھی (1۔)

----

(۱) مجمع النورین/ص/ ۲۷

۲. خشک سالی

سید نعمۃ اللہ جزائری، جلیل القدر عالم دین اور مقدس اردبیلی کے شاگرد کہتے ہیں ایک خشک سالی میں میرے استاد نے کھانے کے لئے گیہوں وغیرہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہوتا تھا فقیروں میں تقسیم کردیتے تھے اور اپنے گھر والوں کے لئے بھی فقیروں کی طرح ایک حصہ بچاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کی بیوی کافی غصہ ہوگئی اور اس نے استاد کے اس کام پر اعتراض کیا کہ آپ تو اپنے بچوں کا بھی خیال نہیں رکھتے اور جو کچھ بھی ہے فقیروں میں تقسیم کردیتے ہیں۔

استاد اس اعتراض کی وجہ سے گھر سے کنارہ کشی کرلیتے ہیں اور مسجد کوفہ میں اعتکاف کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ اعتکاف کے دوسرے دن ایک شخص ان کے دروازہ پر آتا ہے اور بہت اچھے قسم کے گیہوں اور آٹے کی چند بوریاں ان کے لئے لاتا ہے اور کہتا ہے اسے آقا نے

بھیجا ہے۔

مقدس اردبیلی کی واپسی پر ان کی زوجہ نے کہا: جو گیہوں آپ نے بھیجا ہے بہت اچھا ہے۔ استاد نے کہا: میں نے اس طرح کے مرد عربی کو کبھی نہیں دیکھا ہے اور مجھے اس کی کوئی خبر بھی نہیں ہے اور نہ ہی میں نے یہاں گیہوں بھیجا ہے! مقدس اردبیلی نے اس خدائی تحفہ پر اس کا شکر ادا کیا۔

۷. صدقہ دے کر بلائیں دور کیجئے

امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں: ایک یہودی اس مقام سے گذر رہا تھا جہاں رسول خدا اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے اس یہودی نے کہا: "

السام علیک"

آنحضرت نے جواب دیا: "علیک" (تم پر ہو)

اصحاب نے عرض کیا: اس یہودی نے تو کہا ہے کہ آپ کو موت آجائے۔ (سام موت کے معنی میں ہے)

آپ نے فرمایا: میں نے بھی کہا کہ "تم پر ہو"

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: آج اس مرد کو ایک کالا سانپ ڈسے گا اور وہ مر جائے گا۔ وہ یہودی وہاں سے چلا گیا اور بیابان سے لکڑیاں جمع کر کے ایک بڑا بوجھ بنایا اور زیادہ دیر نہ گذری کہ وہ واپس آگیا۔ جب وہ رسول خدا کے پاس سے گذرنا چاہ رہا تھا تو آپ نے

اس سے فرمایا: ذرا اس لکڑیوں کے ڈھیر کو زمین پر رکھو۔ اس نے لکڑیوں کو زمین پر رکھ دیا۔ اصحاب نے دیکھا کہ ایک کالا سانپ ایک لکڑی کو دانتوں سے پکڑے ہوئے ڈس رہا ہے۔

آنحضرت نے اس یہودی سے سوال کیا: آج تم نے کون سا نیک کام انجام دیا ہے؟ اس نے کہا: میں نے کوئی خاص کام نہیں کیا ہے۔ میں لکڑیاں جمع کر رہا تھا اور میرے پاس دو روٹیاں تھیں ایک میں نے خود کھالی اور ایک فقیر کو دے دی۔ آنحضرت نے فرمایا: آج تم نے اس صدقہ کے ذریعہ اپنی موت کو دور کیا ہے۔

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: "الصدقۃ ترفع میتۃ السوء عن الانسان" صدقہ انسان سے ناگہانی اور ناگوار موت کو پلٹا دیتا ہے۔(1)

----

(1) فروع کافی/ ج/ ۴، ص/ ۵

۸۔ اولیائے خدا سے محبت کا نتیجہ

شہر ربیعہ میں یوسف بن یعقوب نامی ایک مالدار زندگی بسر کرتا تھا۔ کسی نے متوکّل عباسی سے کی چغلخوری کردی۔ متوکّل نے اسے سامرہ بلا لیا تا کہ اسے سزا دے۔ یوسف سامرہ آتے وقت راستہ میں بہت پریشان تھا۔ جب سامرہ کے قریب پہنچا تو اس نے اپنے آپ سے کہا

کہ میں اپنے آپ کو سو اشرفی میں خدا سے خریدتا ہوں اگر مجھے متوکّل سے کوئی تکلیف نہ پہنچی تو میں ان اشرفیوں کو "ابن الرض (ع)" (امام محمد تقی) (ع) کی خدمت میں پیش کروں گا۔ جن کو خلیفہ نے مدینہ سے سامرہ بلا کر خانہ نشین کر دیا ہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ اقتصادی اعتبار سے بہت زیادہ سختی میں ہیں۔

وہ جیسے ہی سامرہ کے دروازہ پر پہنچا اس نے اپنے آپ سے کہا بہتر ہے کہ متوکّل کے پاس جانے سے پہلے سو دینار مول (ع) کی خدمت میں لے جاؤں لیکن وہ آپ (ع) کا گھر ہی نہیں جانتا تھا، سوچا اگر کسی سے آپ (ع) گھر کا پتہ معلوم کرتا ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ بات متوکّل کو معلوم ہو جائے کہ میں "ابن الرض (ع)" کے گھر کی تلاش میں تھا تو وہ اور زیادہ غضبناک ہو جائے گا۔

وہ کہتا ہے کہ اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ میں اپنی سواری کو آزاد چھوڑ دوں ممکن ہے خدا کے لطف و کرم سے بغیر کسی سے معلوم کئے امام کے گھر پہنچ جاؤں۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی سواری کو آزاد چھوڑ دیا وہ گلیوں اور بازاروں سے گذرتی ہوئی ایک گھر کے دروازے پر جا کر رک گئی میں نے بہت کوشش کی لیکن وہ وہاں سے آگے نہ بڑھی۔ میں نے ایک شخص سے پوچھا یہ کس کا گھر ہے؟ اس نے جواب دیا یہ "ابن الرض (ع)" رافضیوں کے امام کا گھر ہے۔ میں نے کہا کہ ان کی عظمت و شرافت کے لئے یہی کافی ہے کہ انھوں نے بغیر سوال کے میری سواری کو اپنے دروازے پر لا کر کھڑا کر دیا۔

میں اسی فکر میں تھا کہ ایک سیاہ پوست غلام گھر سے باہر آیا اور کہا: تم ہی یوسف بن یعقوب

ہو؟ میں نے جواب دیا: ہاں۔غلام نے کہا: سواری سے اترو: وہ مجھے گھر کے اندر لے گیا اور خود ایک کمرہ میں چلا گیا۔میں نے اپنے آپ سے کہا کہ یہ دوسری دلیل ہے کہ جس غلام نے مجھے آج تک دیکھا ہی نہیں وہ کیونکر میرے نام سے آگاہ تھا۔میں تو ابھی تک اس شہر میں بھی نہیں آیا تھا؟!

غلام دوبارہ آیا اور اس نے کہا: جن سو اشرفیوں کو تو نے اپنی آستین میں چھپا رکھا ہے لاؤ اسے دے دو۔میں نے اپنے آپ سے کہا: یہ ہوئی تیسری دلیل۔غلام گیا اور فوراً پلٹ آیا اور اس نے مجھ سے گھر کے اندرونی حصہ کی طرف جانے کو کہا۔میں نے اپنے خچر کو وہیں باندھا اور گھر میں داخل ہوگیا۔میں نے دیکھا کہ ایک شریف اور باعظمت شخص تشریف فرما ہیں۔انہوں نے فرمایا: اے یوسف! کیا تو نے اتنی دلیلیں نہیں دیکھیں کہ اسلام لے آؤ؟ میں نے کہا: میں نے یہ اندازہ کافی مشاہدہ کیا ہے۔آپ (ع) نے فرمایا: افسوس کہ تو مسلمان نہ ہوگا لیکن تیرا بیٹا اسحاق مسلمان ہوجائے گا اور وہ میرے شیعوں میں سے ہوگا۔اے یوسف! بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہماری محبت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ جو بھی ہم سے محبت کرے گا وہ اس کا فائدہ دیکھے گا۔چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم! اب تم مطمئن ہوکر متوکّل کے پاس جاؤ اور ذرا بھی نہ گھبراؤ،تمہیں اس سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی۔جب تم شہر میں داخل ہوئے تو خداوند عالم نے تمہارے لئے ایک ملک کو معین کیا جو تمہارے خچر کی راہنمائی کررہا تھا اور اسے میرے گھر تک لے آیا۔

یوسف بن یعقوب کے بیٹے اسحاق نے جب اپنے باپ کی واپسی پر ماجرا سنا تو وہ مسلمان

ہوگیا۔لوگوں نے امام (ع) سے اس کے باپ کے بارے میں سوال کیا تو آپ (ع) نے فرمایا: اگر چہ وہ مسلمان نہیں ہوا اور جنت میں نہ جا سکے گا لیکن وہ ہم سے محبت کا نتیجہ اور فائدہ ضرور دیکھے گا۔(1)

---

(1) مجمع النورین نقل از خرائج و بحار الانوار/ ج/ ۱۲))

۹.عالم اور محتاج پڑوسی

عظیم الشان عالم دین اور فقیہ علامہ سید جواد عاملی نجفی صاحب کتاب "مفتاح الکرامہ" بیان کرتے ہیں:

ایک رات میں کھانا کھا رہا تھا کہ یکا یک کسی نے دق الباب کیا میں سمجھ گیا کہ وہ جناب علامہ سید بحر العلوم کا خادم ہے۔ میں نے جلدی سے دروازہ کھولا ،سید کے خادم نے کہا: آقا کا رات کا کھانا تیار ہے اور میں نے ان کے سامنے کھانا لگا دیا ہے،اور وہ آپ کے منتظر ہیں۔ جلدی چلئے۔میں خادم کے ساتھ ساتھ سید علامہ بحر العلوم کے گھر گیا۔جیسے ہی سید کی خدمت میں پہنچا اور ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو انھوں نے فرمایا: تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ اس کی دیکھ بھال نہیں کرتے؟

میں نے سوال کیا: کیا ہوا ہے؟انھوں نے کہا: تمہارا ایک بھائی ہر رات اپنے گھر والوں کے

لئے کم قیمت والا کھجور قرض پر لیتا تھا اور اس کی مالی حالت اتنی خراب ہے کہ وہ کوئی دوسری چیز نہیں خرید سکتا۔ آج سات دن گذر چکے ہیں اور انھوں نے کم قیمتی کھجور کے علاوہ کچھ نہیں کھایا ہے۔ وہ آج بھی دوکاندار کے پاس گیا تا کہ وہی کھجور خریدے لیکن دوکاندار نے کہا کہ تمہارا قرض بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ وہ شخص شرما گیا اور بغیر کچھ خریدے گھر واپس آ گیا، آج اس نے اور اس کے خانوادہ نے بغیر کچھ کھانے کے رات گذاری ہے لیکن تم اچھے اچھے کھانے کھا رہے ہو۔ میں تمہارے ایک پڑوسی کی بات کر رہا ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے اس کا نام لیا۔

میں نے عرض کیا: مجھے اس کی حالت کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ سید بحر العلوم نے فرمایا: اگر تمہیں خبر ہوتی اور تم اس کی مدد نہ کرتے تو تم یہودی بلکہ کافر ہوتے۔ میرا غصہ اس بات پر ہے کہ تم اپنے دینی بھائیوں کے حالات کیوں نہیں معلوم کرتے اور اپنے پڑوسیوں کی خبرگیری کیوں نہیں کرتے؟

ابھی میرا خادم کھانے کے ان برتنوں کو اٹھاتا ہے اور تم اس کے ساتھ اس شخص کے گھر جاؤ اور اس سے کہو میں چاہتا ہوں کہ آج رات ہم ایک ساتھ کھانا کھائیں۔ اور اس تھیلی میں ایک مقدار پیسہ ہے اسے اس کے چٹائی کے نیچے رکھ دینا اور برتنوں کو واپس نہ لانا۔ خادم نے برتنوں کو ایک بڑی سی سینی میں رکھ کر اٹھایا اور اس کے گھر کے دروازہ تک لے گیا اور وہیں سے واپس ہو گیا۔ میں نے دق الباب کیا پڑوسی نے دروازہ کھولا میں گھر میں داخل ہوا اور میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آج رات ہم سب ایک ساتھ کھانا کھائیں۔ اس نے بھی

قبول کرلیا۔ جب اس نے سینی کو اپنی طرف کھینچا تو دیکھا کہ کھانے کی بہت ہی اچھی خوشبو آرہی ہے اور یہ مالداروں کا کھانا لگ رہا ہے۔

اس شخص نے مجھ سے کہا یہ کھانا کسی معمولی آدمی کے یہاں کا نہیں ہے بلکہ کسی مالدار آدمی کے گھر کا معلوم ہوتا ہے۔ پہلے اس کا قصہ بیان کرو۔ پھر میں کھاؤں گا۔اس نے اتنا اصرار کیا کہ مجھے ماجرا بیان کرنا پڑا۔اس نے قسم کھائی اور کہا: خدا کے علاوہ ابھی تک کوئی دوسرا میرے حال سے واقف نہیں تھا۔ یہاں تک کہ قریبی پڑوسی بھی نہیں جانتے تو دوسروں کی کیا بات اور اس نے اس واقعہ کو سید بحر العلوم ؒ کی ایک کرامت شمار کیا۔

۱۰ ۔یتیموں کے ساتھ نوازش

شیخ بہائی نے اپنی کتاب کشکول میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے: بصرہ کے اطراف میں ایک شخص اس دار فانی سے کوچ کر گیا تھا اور چونکہ وہ گناہوں میں اتنا زیادہ ملوث تھا کہ کوئی بھی اس کی تشییع جنازہ کے لئے تیار نہ ہوا۔اس کی بیوی نے کچھ لوگوں کو کرایہ پر لیا اور وہ جنازہ کو نماز جنازہ کے مقام تک لے گئے لیکن کسی نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی آخر کار اسے دفن کرنے کے لئے شہر سے باہر لے گئے۔

اسی اطراف میں ایک مرد زاہد بھی رہتا تھا اور وہ بہت مشہور تھا لوگ اس کی سچائی اور پاکدامنی پر بھروسہ کرتے تھے۔لوگوں نے دیکھا کہ وہ مرد زاہد اس جنازہ کا منتظر ہے۔ جیسے ہی جنازہ کو زمین پر رکھا، وہ قریب آیا اور اس نے کہا کہ نماز جنازہ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اس نے خود

نماز جنازہ پڑھائی۔زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ یہ خبر شہر میں پہنچ گئی۔لوگ ماجرامعلوم کرنے اور زاہد سے عقیدت کی بنا پر ثواب حاصل کرنے کی غرض سے گروہ گروہ آتے تھے اوراس جنازہ پر نماز پڑھتے تھے۔سب اس واقعہ سے حیرت زدہ تھے۔آخر کارلوگوں نے اس زاہد سے پوچھا کہ آپ نے کیسے اس جنازہ کے آنے کے بارے میں اطلاع حاصل کی؟

مردزاہد نے کہا: میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھ سے کہا جارہا ہے کہ جاؤاور فلاں جگہ پر کھڑے ہوجاؤ وہاں ایک جنازہ لائیں گے جس کے ساتھ صرف ایک عورت ہوگی۔اس جنازہ پر نماز پڑھو کہ اسے بخش دیا گیا ہے۔زاہد نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تمہارا شوہرکون سا نیک عمل انجام دیتا تھا جس کی وجہ سے اسے معاف کردیا گیا ہے؟

عورت نے کہا: وہ تو رات ودن گناہوں میں ملوث رہتا تھا۔زاہد نے پوچھا کہ کیا کوئی نیک کام بھی کرتا تھا؟اس نے جواب دیا: ہاں!وہ تین نیک کام انجام دیتا تھا:

۱۔رات میں جب بھی مستی سے ہوش میں آتا تھا تو گریہ کرتا تھا اور کہتا تھا: خداتو مجھے جہنم کے کس گوشہ میں جگہ دے گا؟!

۲۔جب صبح ہوتی تھی تو کپڑا بدلتا، غسل کرتا اور وضو کر کے نماز ادا کرتا تھا۔

۳۔اس کا گھر کبھی بھی دوتین یتیموں سے خالی نہیں رہتا تھا وہ یتیموں سے اتنی محبت اور شفقت کرتا تھا کہ جتنی اپنے بچوں سے بھی نہیں کرتا تھا۔(۱)

---

(۱) شجرۂ طوبیٰ/ج/۲،ص/۲۷۸

۱۱. ایک ہار اور اتنی ساری برکتیں

عماد الدین طبری نے اپنی کتاب "بشارۃ المصطفیٰ" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جابر بن عبد اللہ انصاری کا بیان ہے: ایک دن نماز عصر کے بعد رسول خدا، اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک بوڑھا، بوسیدہ کپڑا پہنے ہوئے کمزوری کی حالت میں وارد ہوا اس کے آثار سے لگ رہا تھا کہ وہ بھوک کی حالت میں کافی طولانی راستہ طے کر کے آیا ہے۔

اس نے عرض کیا: میں ایک پریشان حال انسان ہوں آپ مجھے بھوک، عریانی اور مشکلات سے نجات دلائیے۔

رسول خدا نے فرمایا: فی الحال میرے پاس کچھ نہیں ہے لیکن میں تجھے ایک ایسے شخص کی رہنمائی کرتا ہوں جو تیری حاجتوں کو پورا کر دے گا اور نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والا اس شخص کے مانند ہے کہ جس نے خود اس کام کو انجام دیا ہو۔

اس کے بعد آنحضرت نے جناب بلال کو حکم دیا کہ اس بوڑھے کو درِ فاطمہ پر لے جائیں۔ جب وہ بوڑھا حضرت علی (ع) کے بیت الشرف پر پہنچا تو اس نے اس طرح سلام کیا: "السلام علیکم یا اھل بیت النبوۃ" اے خاندان نبوت آپ پر سلام ہو۔ آپ (ع) نے سلام کا جواب دیا اور دریافت فرمایا: تم کون ہو؟

اس نے کہا: میں ایک مرد عرب ہوں، رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور ان سے مدد کا

تقاضا کیا تھا۔انہوں نے مجھے آپ کے دروازہ پر بھیج دیا۔

وہ تیسرا دن تھا جسے آل علی علیہ السلام بھوک کی حالت میں گذار رہے تھے اور رسول خدا بھی اس سے آگاہ تھے، بنت رسول نے جب کوئی چیز نہ پائی تو آپ نے گوسفند کی کھال جس پر حسن وحسین علیھما السلام سوتے تھے: اس مردعرب کو دے دیا اور فرمایا: خداوند عالم تمہیں آسودگی عنایت فرمائے۔

بوڑھے نے کہا: اے بنت رسول! میں بھوک سے بے حال ہوں اور آپ مجھے گوسفند کی کھال عطا کررہی ہیں۔

جیسے ہی جناب فاطمہ نے یہ سنا اپنا ہار جسے عبدالمطلب (ع) کی صاحبزادی نے آپ کو ہدیہ کیا تھا، اس مردعرب کو دے دیا۔وہ بوڑھا ہار لے کر مسجد میں آتا ہے۔اس نے دیکھا کہ رسول خدا، اصحاب کے درمیان تشریف فرما ہیں اس نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی بیٹی نے مجھے یہ ہار عطا کیا ہے اور فرمایا ہے کہ میں اسے بیچ دوں ممکن ہے خداوند عالم میرے کاموں میں وسعت عطا فرمائے۔

آنحضرت رونے لگے اور فرمایا: کیونکر خدا وسعت اور راحت نہ دے جبکہ اولین وآخرین کی عورتوں میں سب سے بہتر خاتون نے تجھے اپنا ہار عطا کیا ہے!

عمار یاسر نے عرض کیا: کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس ہار کو خریدلوں؟ آنحضرت نے فرمایا: اس ہار کو خریدنے والے کو خداوندعالم جہنم سے دور رکھے گا۔جناب عمار یاسر نے مرد عرب سے کہا کہ اس ہار کو کتنے میں بیچو گے۔

اس نے کہا: اتنی قیمت میں بیچوں گا کہ کھانا کھا کر سیر ہوسکوں، پہننے کے لئے ایک یمانی رداء خرید سکوں اور کچھ دینار جسے میں واپسی پر خرچ کر سکوں۔ جناب عمار نے کہا: میں اس ہار کو دوسو درہم میں خریدوں گا اور تجھے روٹی اور گوشت سے سیر کروں گا، اوڑھنے کے لئے یمانی رداء بھی دوں گا اور اپنے اونٹ سے تجھے تیرے گھر تک پہنچاؤں گا۔

جناب عمار کے پاس جنگ خیبر کے مال غنیمت میں سے جو کچھ بچا تھا، بوڑھے کو اپنے گھر لے گئے اور جو وعدہ کیا تھا وفا کر دیا۔

مرد عرب دوبارہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ کیا تو نے لباس لے لیا اور سیر ہو گیا؟ اس نے عرض کیا ہاں رسول اللہ اور میں بے نیاز بھی ہو گیا۔

اس وقت آنحضرت نے جناب فاطمہ زہرا کے فضائل کا ایک مختصر سا حصہ بیان فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میری بیٹی فاطمہ کو جب قبر میں رکھا جائے گا تو ان سے سوال کیا جائے گا: تمہارا خدا کون؟ وہ جواب دیں گی "اللّٰہُ رَبِّیْ" سوال ہوگا: تمہارے رسول کون؟ جواب دیں گی: "میرے والد" دوبارہ سوال کریں گے، تمہارے امام اور ولی کون ہیں؟ تو آپ جواب دیں گی: "ھذا القائم علی شفیر قبری" میرا امام وہ ہے جو میری قبر کے کنارے کھڑا ہوا ہے۔ (یعنی حضرت علی علیہ السلام)

جناب عمار نے ہار کو سونگھا اور ایک چادر یمانی میں رکھ کر "سہم" نامی غلام کو دیا اور کہا کہ اسے رسول خدا کی خدمت میں لے جاؤ اور میں نے تم کو بھی رسول خدا کو بخشا۔

آنحضرت (ع) نے اسے جناب فاطمہ زہرا کے پاس بھیج دیا۔ بنت رسول نے ہار کو لیا اور

غلام کو آزاد کر دیا۔

یہ ماجرا دیکھ کر غلام ہنسا۔ جناب فاطمہ نے اس کی ہنسی کا سبب دریافت فرمایا تو اس غلام نے کہا: میں اس ہار کی برکتوں پر ہنس رہا ہوں کہ اس نے ایک بھوکے کو سیر کر دیا۔ ایک فقیر کو بے نیاز بنا دیا۔ ایک برہنہ کو لباس عطا کیا۔ ایک غلام کو آزاد کرایا اور دوبارہ اپنے اصل مالک کے پاس واپس آ گیا۔

۱۲. محتاجوں کی مدد، مانگنے سے پہلے

حضرت امام جعفر صادق (ع) فرماتے ہیں کہ حضرت علی (ع) نے ایک محتاج شخص کے لئے پانچ اونٹ پر کھجور لدوا کر بھجوایا وہ ایک آبرومند اور باعزت آدمی تھا وہ حضرت علی (ع) کے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتا تھا۔

آنحضرت کے پاس موجود ایک شخص نے آپ سے عرض کیا: اے علی (ع)! اس شخص نے تو آپ (ع) سے کوئی درخواست نہیں کی ہے، اس کے علاوہ اس کے لئے ایک اونٹ کھجور کافی ہے۔ امام (ع) نے فرمایا:

"لا کثر اللہ فی المومنین مثلك"

خداوند مومنین میں تم جیسے افراد کو زیادہ نہ کرے۔ میں بخشش کرتا ہوں اور تو کنجوسی کرتا ہے۔ اگر میں کسی کے دست سوال پھیلانے کے بعد اس کی مدد کروں تو میں نے اسے جو کچھ دیا ہے وہ اس کی عزت کی قیمت ہے جو اس نے میرے سامنے گنوائی ہے۔ جو بھی ایسا کرے اور

اسے معلوم ہو کہ وہ محتاج ہے اور وہ اس کی مدد کرسکتا ہے تو اس نے اپنے پروردگار سے جھوٹ بولا ہے۔اس لئے کہ یہ اپنے اس برادر مومن کے لئے جنت کی دعا کرتا ہے لیکن دنیا کے بے قیمت مال میں سے ذراسی مالی مدد کرنے سے کتراتا ہے۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کہ بندہ مومن اپنی

دعامیں کہتا ہے:

"اللھم اغفر للمومنین والمومنات"

جب اپنے برادر دینی کے لئے طلب مغفرت کرتا ہے یعنی اس کے لئے جنت کی دعا کرتا ہے وہ جھوٹ بولتا ہے اس لئے کہ زبان سے تو اس کے لئے جنت چاہتا ہے لیکن منزل عمل میں اسے ذراسا بے قیمت مال دینے میں مضائقہ کرتا ہے۔(1)

----

(۱) ریاحین الشریعۃ/ ۱۸

۱۳. بے منت صدقے

ایک شخص امام محمد تقی (ع) کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔امام (ع) نے فرمایا: میں تجھے خوش دیکھ رہا ہوں،اس خوشی کا سبب کیا ہے؟ اس نے عرض کیا: اے فرزند رسول! میں نے آپ (ع) کے والد بزرگوار سے سنا ہے کہ انہوں نے

ارشادفرمایاہے: سب سے مناسب دنجس دن انسان کوخوش ہونا چاہئے وہ دن ہے جب صدقہ دینے ،نیکی کرنے اور برادر دینی کو فائدہ پہنچانے کی توفیق عطا ہو۔آج میرے پاس دس برادر دینی آئے تھے اورسب کے سب فقیراورصاحب عیال تھے۔میں نے ان کی خدمت کی اور ہرایک کی مدد کی۔اسی لئے میں خوش ہوں۔

امام علیہ السلام نے ارشادفرمایا: میری جان کی قسم! بہتر ہے کہ تمہاری یہ خوشی باقی رہے اس شرط کے ساتھ کہ تم نے خود اپنے نیک عمل کو برباد نہ کیا ہواوراس کے بعد بھی اسے ضائع نہ کرو۔اس نے عرض کیا: کیونکرممکن ہے میرے نیک اعمال ضائع ہوجائیں جبکہ میں آپ(ع) کے حقیقی اورخالص شیعوں میں سے ہوں؟

امام محمدتقی(ع) نےفرمایا:تم نے ابھی ابھی اپنے اس نیک عمل اور برادران دینی کی مددکوضائع کردیا۔اس نے آنحضرت(ع) سے دریافت کیا: میں نے کیونکراسے ضائع کیا ہے؟امام علیہ السلام نے ارشادفرمایا:اس آیہ کریمہ کی تلاوت کر:

"لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقَاتِكُمۡ بِالۡمَنِّ وَالۡاَذٰىۙ"

اپنے صدقاتکو احسان جتانے اور اذیت دینے کے ذریعہ ضائع نہ کرو۔(سورۂ بقرہ/آیت ۲۶۴)

اس شخص نے عرض کیا: میں نے جن لوگوں کی مدد کی ہے نہ ان کواحسان جتایا،نہ منت گذاری کی ہے اور نہ ہی انہیں کوئی اذیت دی ہے۔امام(ع) نے ارشادفرمایا: تیری نظر میں ان لوگوں کی اذیت کرنا زیادہ اہم ہے یا اپنے اوپر مامور فرشتوں کو اذیت دینا یا ہم اہل

بیت (ع) کو اذیت دے نا؟

اس نے جواب دیا: آپ (ع) کو اور ملائکہ کو اذیت دے نا۔ امام (ع) نے فرمایا: بے شک تو نے مجھے اذیت دی ہے۔ اس نے سوال کیا: اے فرزند رسول! میں نے اپنے کس عمل کے ذریعہ آپ کو اذیت دی ہے؟

آپ (ع) نے فرمایا: اپنی اسی بات کے ذریعہ کہ تو نے کہا: میں آپ کے حقیقی اور خالص شیعوں میں سے ہوں۔ تم جانتے ہو کہ ہمارے خالص اور حقیقی شیعہ کون ہیں؟

اس نے تعجب کے ساتھ عرض کیا: نہیں!

آپ (ع) نے فرمایا حزقیل مومن آل فرعون، صاحب یٰس جس کے بارے میں پروردگار فرماتا ہے:

"وَجَآءَ مِنۡ اَقۡصَى الۡمَدِيۡنَةِ رَجُلٌ يَّسۡعٰى"

سلمان، ابوذر، مقداد اور عمار یاسر۔ کیا تم اپنے آپ کو ان افراد کے برابر جانتے ہو؟ کیا تم نے اپنی اس بات کے ذریعہ ملائکہ اور ہمیں اذیت نہیں پہنچائی ہے۔ اس شخص نے عرض کیا:

"استغفر الله و اتوب الیه یابن رسول الله"

پس میں کیا کہوں؟

آپ (ع) نے فرمایا: تم یہ کہو کہ میں آپ کے دوستداروں میں سے ہوں۔ میں آپ کے دشمنوں کا دشمن اور دوستداروں کا دوست ہوں۔ میں نے عرض کیا: میں ایسا ہی کہوں گا اور ایسا ہی ہے میں نے جو کچھ کہا ہے وہ خدا کی بارگاہ میں قابل قبول نہیں ہے، آپ اور خدا کے فرشتے بھی اسے ناپسند کرتے ہیں تو میں ان سے توبہ کرتا ہوں۔

امام محمد باقر (ع) نے فرمایا: اب تمہارے صدقہ دینے کا ثواب پلٹ آیا ہے۔(۱)

----

(۱) کلمہ طیبہ/ص ۲۵۴

14 میں حضرت علی (ع) سے طلبگار ہوں

صاحب کتاب شرائع جو ایک عظیم الشان شیعہ فقیہ ہیں وہ اپنی کتاب فضائل علی بن ابی طالب علیہ السلام میں تحریر کرتے ہیں کہ ابراہیم بن ہمران کا بیان ہے کہ شہر کوفہ میں ابوجعفر نامی ایک تاجر تھا اور اس نے تجارت میں ایک بہت ہی پسندیدہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ اس کی تجارت مادی مقاصد اور مال وثروت میں اضافہ کی خاطر نہ تھی بلکہ اس کا زیادہ تر مقصد خدا کی رضایت رہتا تھا۔

جب کوئی اس سے کوئی چیز مانگتا تو وہ کسی طرح کا کوئی بہانہ نہیں کرتا تھا اور اسے وہ چیز دے دیتا تھا اور اپنے غلام سے کہتا تھا کہ لکھو کہ "حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام نے مجھ سے اتنا قرض لیا ہے" اور وہ اس نوشتہ کو اسی حالت میں چھوڑ دیتا تھا۔

اسی طریقہ سے اس نے کافی مدت گذاردی۔ یہاں تک کہ اس کا دیوالیہ ہوگیا اور اس کے سارے سرمائے ختم ہوگئے۔ ایک اس نے دن اپنے غلام سے کہا کہ حساب کا رجسٹر لاؤ اور قرض لینے والوں میں سے جو مر گئے ہیں ان کا نام اس رجسٹر سے مٹادو۔ لیکن جو لوگ زندہ

ہیں ان سے مطالبہ کرو۔ یہ کام بھی اس تاجر کے دیوالیہ ہونے کا خاتمہ نہ کرسکا۔ایک دن وہ اپنے گھر کے

دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص وہاں سے گذرا اور اس تاجر کا مذاق اڑاتے ہوئے اس نے کہا: اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا جس کے نام پر تم ہمیشہ قرض دیتے تھے اور اپنے آپ کو اس بات سے خوش کر رکھا تھا کہ اس کا نام تمہارے رجسٹر میں ہے (اس کی مراد حضرت علی (ع) تھے)

تاجر اس مسخرہ سے بہت غمگین ہوا اور اسی غم میں پوری رات گذار دی۔ اس نے رات میں خواب میں رسول خدا اور امام حسن و امام حسین علیھم السلام کو دیکھتا ہے۔رسول خدا نے امام حسن (ع) سے فرمایا: تمہارے والد بزرگوار کہاں ہیں؟ حضرت علی (ع) نے فرمایا: میں آپ ہی کی خدمت میں ہوں۔آنحضرت نے فرمایا: تم اس مرد کا قرض ادا کیوں نہیں کرتے؟ امام (ع) نے عرض کیا: میں آپ کی خدمتمیں آیا ہوں تا کہ اس کا قرض واپس کروں اور آنحضرت کو ایک سفید تھیلی دی جس میں ہزار اشرفیاں تھیں۔

آنحضرت نے مجھ سے فرمایا: اسے لو یہ تمہارا حق ہے اور اسے لینے میں تکلف نہ کرو، اس کے بعد میری اولاد میں سے جب بھی کوئی تم سے قرض مانگے تو اسے دے دینا۔ اس کے بعد تم کبھی بھی فقیر اور محتاج نہ ہوگے۔

ابو جعفر خواب سے بیدار ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی ہے۔ وہ اسے لیکر اپنی زوجہ کے پاس آیا اور اسے دکھایا پہلے تو اس کی بیوی نے یقین نہیں کیا اور کہنے لگی گر تم نے

کوئی چال بازی کی ہے تاکہ لوگوں کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرو تو اللہ سے ڈرو اور اس چال بازی سے باز آجاؤ۔

تاجر نے پورا خواب بیان کیا تو اس کی بیوی نے کہا: اگر تم نے واقعاً یہ خواب دیکھا ہے تو حساب کا رجسٹر دکھاؤ۔ جب میاں بیوی نے رجسٹر دیکھنا شروع کیا تو دیکھا کہ جہاں بھی حضرت علی (ع) کے نام قرض لکھا ہوا تھا وہاں سے قرض کی مقدار مٹ چکی ہے۔(۱)

---

(۱) کشکول بحرانی، ج ۲، ص ۲۲۹ نقل از روضہ شیخ مفید و کلمۂ طیبہ

۱۵. پاک و پاکیزہ اموال سے انفاق

حضرت امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ اہل سنت والجماعت، ایک شخص کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اس کا احترام کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ ایک اجنبی کی طرح اس سے ملاقات کروں۔ اتفاق سے ایک دن میں نے ایک مقام پر اس سے ملاقات کی، لوگ اس کے اردگرد جمع تھے لیکن وہ ہر ایک سے دور بھاگ رہا تھا۔ وہ ایک کپڑے سے ناک تک اپنے چہرے کو چھپائے ہوئے تھا وہ مسلسل کوشش کر رہا تھا کہ وہ لوگوں سے دور ہو جائے آخر کار اس نے جب ایک راستہ انتخاب کیا اور اس کے اردگرد موجود افراد نے اسے چھوڑ دیا۔

میں اس کے پیچھے چل دیا اور اس کے کاموں کو دیکھنے لگا۔ وہ ایک روٹی کی دوکان پر پہنچا ایک مناسب وقت میں جب دوکاندار غافل تھا اس نے دو روٹی اٹھالی اور وہاں سے چلا گیا۔ ایک انار بیچنے والے کے پاس گیا وہاں سے دو انار چرا لئے۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ شخص کیوں چوری کر رہا ہے۔

آخر کار راستہ میں بیٹھے ایک بیمار کے پاس پہنچا اور اس نے دونوں روٹی اور دونوں انار اسے دے دیا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ شہر سے باہر نکل گیا وہ ایک گھر میں داخل ہونے والا تھا کہ میں نے اس سے کہا: اے بندۂ خدا! میں نے تیری شہرت سن رکھی تھی، میں تجھے قریب سے دیکھنا چاہتا تھا لیکن اب میں تجھ سے بیزار ہوں۔

اس نے پوچھا: آپ نے کیا دیکھا ہے؟ میں نے کہا: تو نے نانوائی سے دو روٹی اور انار کی دکان سے دو انار چرائے ہیں۔ اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کی اجازت نہ دی اور پوچھا آپ کون ہیں؟ میں نے جواب دیا: میں اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک فرد ہوں۔ اس نے میرے وطن کے بارے میں سوال کیا: میں نے کہا: میرا وطن مدینہ ہے۔ اس نے کہا کہ آپ شاید جعفر بن محمد بن علی بن حسین علیہم السلام ہیں۔ میں نے جواب دیا: بے شک ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا کہ تمہارا رسول کی اولاد ہونے کی نسبت کا کیا فائدہ جب آپ نے اپنے جد بزرگوار کے علم ہی کو چھوڑ رکھا ہے۔ میں نے سوال کیا کس طرح؟ اس نے کہا: اس لئے کہ آپ قرآن کی ہر آیت سے آگاہ ہی نہیں ہیں خداوند عالم فرماتا ہے: "مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَۃِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَھَا" جو شخص بھی نیکی کرے

اسے دس گنا اجر ملے گا اور جو برائی کرے گا اسے صرف اتنی ہی سزا ملے گی۔(۱)
میں نے دو روٹی اور دو انار چرائے لہٰذا چار گناہ کئے لیکن میں نے انہیں انفاق کر دیا اور بیمار کو دے دیا اس آیت کی روشنی میں میرے حصہ میں ۴۰ نیکیاں آ گئی اور جب ۴۰ میں سے ۴ نیکیاں کم ہوں گی تو میں اس کے بعد بھی ۳۶ نیکیوں کا حقدار رہوں گا۔
میں نے کہا: "ثکلتک امک" تیری ماں تیرے سوگ میں بیٹھے۔ تو خدا سے جاہل ہے کیا تو نے نہیں سنا ہے کہ خداوند عالم فرماتا ہے:
"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ"
خدا صرف متقین کے اعمال کو قبول کرتا ہے۔ اس کے بعد میں نے کہا: تو نے دو روٹی اور دو انار چرائے لہٰذا چار گناہ کئے اور چونکہ ان کے مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے کو دیا لہٰذا چار گناہ اور بڑھ گئے۔ (اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا لہٰذا مجبور ہو کر خاموش ہو گیا) اس نے تعجب کے ساتھ بڑے غور سے مجھے دیکھا۔ میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور وہاں سے چلا آیا۔(۲)

---

(۱) سورۂ انعام/آیت/ ۱۶۰
(۲) انوار نعمانیہ، ص ۹۲

۱۶ .غیر مسلم ضرورتمند کی بھی مدد کرو

امام جعفر صادق (ع) مکہ اور مدینہ کے درمیان راستہ میں تھے،امام کا مشہور ومعروف خدمت گذار مصادف بھی آپ کے ہمراہ تھا۔راستہ میں ان کی نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑی جو اپنے آپ کوایک درخت کے تنے پر گرائے ہوئے تھااس کی حالت غیر تھی۔امام (ع) نے مصادف سے فرمایا:اس کے پاس چلیں اور دیکھیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ پیاسا ہو اور پیاس کی وجہ سے بے حال ہو گیا ہے۔

دونوں حضرات اس کے قریب گئے۔امام (ع) نے اس سے دریافت فرمایا: کیا تو پیاسا ہے؟

اس نے کہا: ہاں!

مصادف،امام علیہ السلام کے حکم سے سواری سے نیچے اترے اور اسے پانی دیا لیکن اس کے قیافہ،لباس اور حالت سے معلوم ہورہا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے بلکہ مسیحی ہے۔جب امام (ع) اور مصادف وہاں سے دور ہوگئے تو مصادف نے امام (ع) سے ایک مسئلہ دریافت کیا اور وہ مسئلہ یہ تھا کہ کیا غیر مسلم افراد کو صدقہ دینا جائز ہے؟

امام (ع) نے ارشاد فرمایا: ضرورت کے وقت،ہاں (بہت اچھا ہے۔)(۱)

----

(۱) وسائل،ج ۲،ص ۵۰

۱۷.لوگوں کے ہمراہ

مدینہ میں روز بروز گیہوں اور روٹی کی قیمت بڑھتی چلی جارہی تھی، پریشانی اور وحشت تمام لوگوں پر غالب ہوتی جارہی تھی۔جس نے سال بھر کی خوراک کا انتظام نہیں کیا تھا وہ اس کے انتظام کی کوشش کررہا تھا اور جس نے پہلے سے مہیا کررکھا تھا وہ اس کی حفاظت کی کوشش میں لگا تھا۔انہیں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو فقر اور تنگدستی کی وجہ سے مجبور تھے کہ ہر روز بازار سے اپنی خوراک کا انتظام کریں۔امام جعفر صادق (ع) نے اپنے گھر کے اخراجات کے وکیل "معتب" سے دریافت فرمایا: کیا ہمارے گھر میں اس سال گیہوں ہیں؟

معتب نے عرض کیا: ہاں فرزند رسول! گیہوں اتنی مقدار میں ہے کہ کئی مہینے کے لئے کافی ہے۔امام (ع) نے فرمایا: انھیں بازار لے جاؤ اور بیچ دو۔معتب نے عرض کیا: یابن رسولاللہ! مدینہ میں گیہوں نایاب ہے اگر انھیں بیچ دیا تو دوبارہ گیہوں خریدنا ہمارے لئے آسان نہ ہوگا!

امام (ع) نے فرمایا: تم وہی کرو جو میں نے کہا ہے، سارے گیہوں کو لوگوں کے ہاتھ بیچ دو۔معتب نے امام (ع) کے حکم کی تعمیل کی انھوں نے سارا گیہوں بیچ دیا اور اس کی اطلاع امام (ع) کو دے دی۔امام جعفر صادق (ع) نے معتب کو حکم دیا: اس کے بعد سے میرے گھر کے لئے روٹی ہر روز بازار سے خریدو، میرے گھر کی روٹی ایسی نہیں ہونی چاہئے جیسی اس وقت عوام استعمال کرتے ہیں بلکہ اس میں کچھ فرق ہونا چاہئے۔آج سے میرے گھر کی روٹی آدھی گیہوں اور آدھی جو سے بنی ہونی چاہئے۔الحمدللہ میں اتنی توانائی رکھتا ہوں کہ سال کے آخر تک اپنے گھر کو گیہوں کی روٹی کھلا کر بہترین طریقہ سے جلاسکوں۔لیکن میں ایسا نہیں

کروں گا تا کہ میں بارگاہِ الٰہی میں روزی کے مقدر اور معین ہونے کے مسئلہ کی رعایت کرسکوں۔(۱)

---

(۱) بحارالانوار، ج ۱۱، طبعہ قدیم، ص ۱۲۱

۱۸ .غربت کی مشکلات کا بہترین راہ حل

وہ رسول خدا کے صحابیوں میں سے تھا، جس پر فقر اور تنگدستی غالب ہو چکی تھی، ایک دن اس نے محسوس کیا کہ بہت زیادہ سختی اور مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔اپنی بیوی کے مشورہ پر ارادہ کیا کہ رسول خدا کی خدمت میں جائے اور اپنے حالات بیان کرے اور آنحضرت سے مالی مدد چاہے۔

وہ اسی نیت سے آنحضرتکی خدمت میں گیا۔لیکن اس سے پہلے کہ اپنی حاجت بیان کرتا ،رسول خدا کی زبان مبارک سے یہ جملہ سنا۔"جو بھی ہم سے مدد چاہے گا ہم اس کی مدد کریں گےلیکن اگر کوئی بے نیازی سے کام لے اور مخلوق خدا کے سامنے دست حاجت دراز نہ کرے تو خود خداوندا سے بے نیاز بنائے گا۔"

اس نے اس دن کچھ بھی نہ کہا اور اپنے گھر واپس آ گیا اور ایک بار پھر فقر کے خوفناک دیو سے روبرو ہوا جو پہلے کی طرح اس کے گھر پر سایہ فگن تھا۔مجبور ہو کر دوسرے دن بھی اسی ارادہ

سے رسول خدا کی بزم میں حاضر ہوا اس دن بھی آنحضرت کی زبان مبارک سے وہی جملہ سنا :"جو بھی ہم سے مدد چاہے گا ہم اس کی مدد کریں گے لیکن اگر کوئی بے نیازی کا اظہار کرے تو خود خداوند عالم اسے بے نیاز کر دے گا۔"

اس مرتبہ بھی اپنی حاجت بیان کئے بغیر گھر واپس آ گیا۔ اور اس نے اپنے آپ کو پہلے کی طرح فقر کے پنجوں میں ضعیف، ناتواں اور مجبور پایا۔ تیسری بار بھی اسی نیت سے بزم رسول اکرم میں حاضر ہوا۔ اس بار بھی آنحضرت کے لبہائے مبارک حرکت میں آئے اور اسی لب و لہجہ میں اسی جملہ کی تکرار فرمائی۔ اور آپ کا کلام دل کو قوت اور روح کو سکون و اطمینان عطا کر رہا تھا۔ اس بار جب اس صحابی نے یہ جملہ سنا تو اپنے دل میں زیادہ سکون و اطمینان کا احساس کیا اور اس نے محسوس کیا کہ اس نے اسی جملہ میں اپنی مشکل کا حل تلاش کرلیا ہے۔ جب وہاں سے باہر آیا تو اس بار زیادہ سکون و اطمینان کے ساتھ قدم بڑھا رہا تھا اور یہ سوچتا جا رہا تھا کہ اب کبھی بھی بندگان خدا سے مدد حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس نہ جاؤں گا صرف خدا پر بھروسہ کروں گا اور میرے اندر جو قوت و طاقت اور صلاحیت ودیعت کی گئی ہے ان سے استفادہ کروں گا اور خدا ہی سے چاہوں گا کہ جس کام کو میں نے اختیار کیا ہے وہ اس میں مجھے کامیابی عطا کرے اور مجھے بے نیاز بنا دے۔

اس نے سوچا کہ میں کیا کام کرسکتا ہوں؟ اس کے ذہن میں آیا کہ وہ اتنا تو کر ہی سکتا ہے کہ جنگل میں جا کر لکڑیاں جمع کرے اور انہیں لا کر فروخت کرے۔ وہ عاریۃً ایک کلہاڑی لے کر جنگل کی طرف ہو گیا۔ کچھ لکڑیاں جمع کیں اور انھیں لا کر بیچ دیا۔ اس نے اپنی زحمتوں

سے حاصل لذت کو چکھا۔

اس نے دوسرے دنوں میں بھی اسی کام کو جاری رکھا یہاں تک کہ آہستہ آہستہ اس نے اسی پیسہ سے ایک کلہاڑی، جانور اور دوسری ضرورت کے سامان خریدے، اور اسی کام کو جاری رکھا یہاں تک کہ مالدار اور نوکر چاکر والا ہو گیا۔

ایک دن رسول خدا اس کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے مسکراتے ہوئے اس سے فرمایا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ جو بھی ہم سے مدد چاہے گا ہم اس کی مدد کریں گے لیکن جو شخص بے نیازی کا اظہار کرے (یعنی مخلوق خدا کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے) تو خداوند عالم اسے بے نیاز بنا دے گا۔(1)

---

(1) اصول کافی، ج ۲، ص ۱۳۹۔ (باب القناعہ) وسفینۃ البحار، مادۂ قنع

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِہ(ع) الطَّاھِرِیْنَ